به این بهانه درین بزم محرمی جوییم
غزل سراییم و **پیغام آشنا** گوییم — اقبالؒ

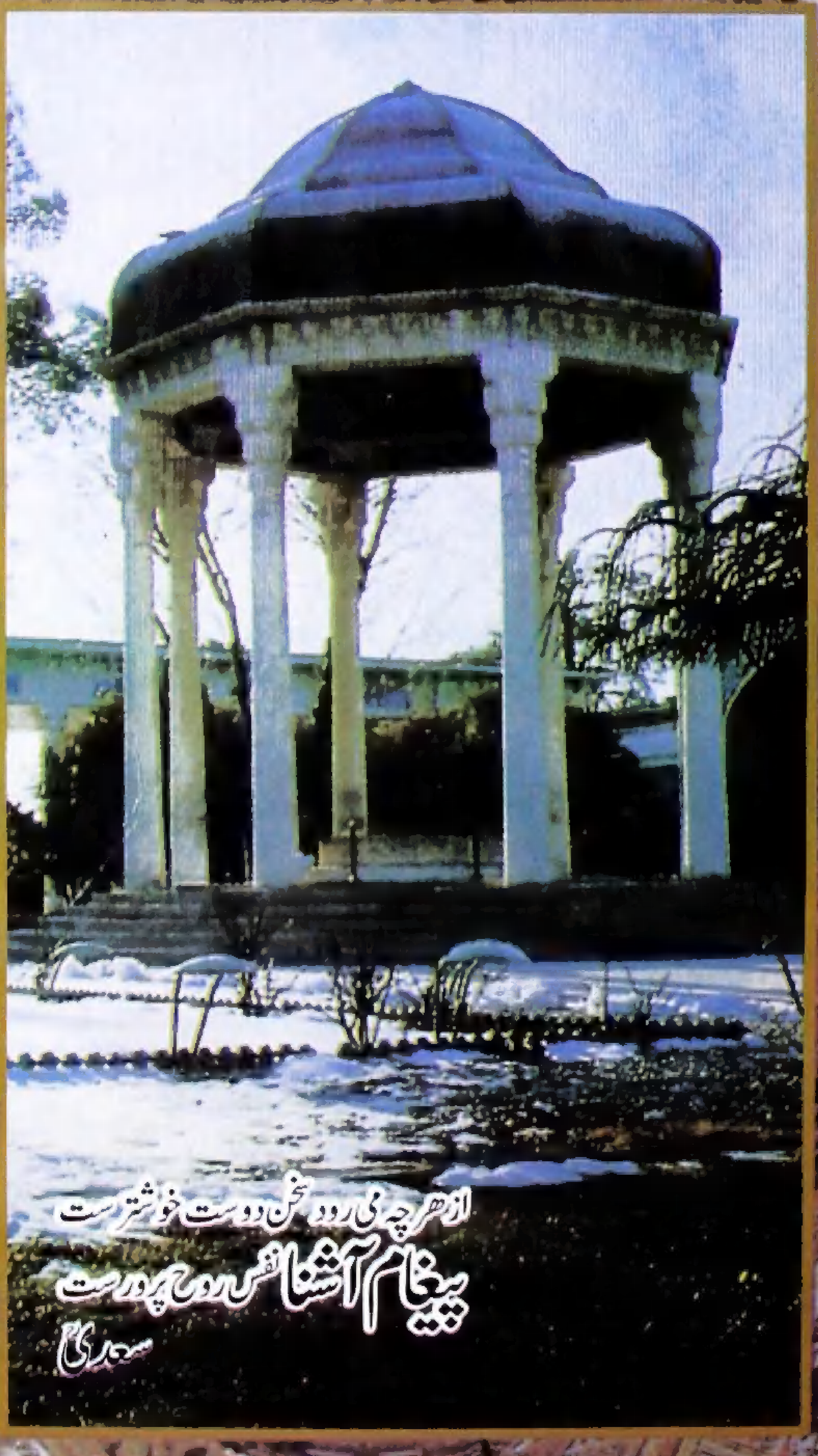

آرامگاه حافظ شیرازی ـ شیراز

شماره ۳، رجب ۱۴۲۱، آبان ۷۹ ـ ۱۳، اکتوبر ۲۰۰۰
ثقافتی قونصلیت اسلامی جمهوریہ ایران، اسلام آباد

Marfat.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

یاد دہانی

ایران اور پاکستان صدیوں سے دوستی اور اخوت کے بے شمار رشتوں میں منسلک ہیں۔ **پیغام آشنا** کے اجراء کا مقصدِ وحید ان دونوں ملکوں کے درمیان اس خطے کی مشترکہ میراث اور دورِ حاضر میں زندگی کے مختلف شعبوں میں دیگر اشتراکات کے بارے میں مناسب شعور پیدا کر کے ان تعلقات کو مزید مضبوط اور مستحکم بنانا ہے۔ اس سلسلے میں **پیغام آشنا** برصغیر پاک و ہند کے اہل علم و قلم کے ہر قسم کے تعاون کا بالعموم' اور پاکستانی دانشوروں کی تحریروں کا خاص طور پر خیر مقدم کرتا ہے۔

* **پیغام آشنا** ہر سال چار مرتبہ شائع ہوتا ہے۔

* **پیغام آشنا** میں صرف غیر مطبوعہ علمی' تنقیدی' ادبی اور ثقافتی مقالات شائع کیے جاتے ہیں' جن میں تحقیقی رنگ غالب ہونا چاہیے۔ مطبوعہ مقالے کے لکھنے والے کو متعلقہ شمارہ کے اس نسخے کے علاوہ ایک حقیر نقد اعزازیہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

* **پیغام آشنا** میں شائع ہونے والے مواد کے نفسِ مضمون کے بارے میں تمام تر ذمہ داری متعلقہ مصنف پر عائد ہوتی ہے اور ادارہ کا تمام حقائق یا آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

* بغرضِ اشاعت ارسال کیے گئے تمام مضامین کاغذ کے ایک طرف ٹائپ یا صاف ستھرے خط میں' دونوں جانب مناسب حاشیے کے ساتھ لکھے ہوئے ہونے چاہئیں۔ حوالہ جات اور حواشی مآخذ کی ضروری تفاصیل کے ساتھ مقالے کے آخر میں منسلک کرنا نہ بھولیں۔ ضروری مکمل حوالوں کے بغیر موصول ہونے والے مقالات پیغام آشنا میں شائع نہیں کیے جائیں گے۔

* **پیغام آشنا** میں کسی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارہ کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے اور اس سلسلے میں ادارہ ناقابلِ اشاعت تحریروں کی مصنفین کو واپسی کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

* اشاعت کے لیے قبول کیے جانے والے مقالات میں ادارہ ضروری ادارتی ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

* **پیغام آشنا** میں کسی کتاب کے تبصرے یا تعارف کی اشاعت کے لیے کتاب کی دو جلدوں کا موصول ہونا ضروری ہے۔

* **پیغام آشنا** میں اشاعت کے لیے جملہ نگارشات اور تبصرے کے لیے کتابیں مدیر مسئول، **پیغام آشنا**' ثقافتی قونصلیت اسلامی جمہوریہ ایران، مکان نمبر ۲۵' گلی نمبر ۲۷' F-6/2، اسلام آباد۔ (فون نمبر 2827937 فیکس نمبر: 2821771) کے پتے پر ارسال کی جا سکتی ہیں۔

* **پیغام آشنا** میں شائع شدہ مواد سے مآخذ کے ذکر کے بغیر استفادہ ممنوع ہے۔

Marfat.com

سفرِ عشق

امام خمینی (ره)

با دلِ تنگ به سوی تو سفر باید کرد
از سرِ خویش به بتخانه گذر باید کرد

پیر ما گفت ز میخانه شفا باید جست — از شفا جستنِ هر خانه حَذر باید کرد
آنکه از جلوهٔ رخسار چو ماهت پیش است — بی گمان معجزهٔ شقِّ قمر باید کرد
گر درِ میکده را پیر به عشاق گشود — پس از آن آرزوی فتح و ظفر باید کرد
گر دل از نشئهٔ می دعوی سرداری داشت — به خود آیید که احساس خطر باید کرد
مژده ای دوست که رندی سرِ خُم را بگشود — باده نوشان لب از این باده تر باید کرد
در رهِ جستن آتشکده سر باید باخت — به جفاکاری او سینه سپر باید کرد
سرِ خُم باد سلامت که به دیدار رخش — مستِ ساغر زده را نیز خبر باید کرد

طرّهٔ گیسوی دلدار به هر کوی در است
پس به هر کوی و در از شوق سفر باید کرد

Marfat.com

علامہ اقبالؒ

مسلمان اقوام کو "خودی" کے سمجھنے کی ضرورت ہے' خاص طور پر مسلمان شخصیتوں کو خواہ وہ سیاسی شخصیتیں ہوں یا ثقافتی' ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اقبالؒ کے پیغام کو سمجھیں اور جان لیں کہ اسلام اپنی ذات میں لور اپنی اصلیت میں انسانی معاشروں کو چلانے کی اعلیٰ ترین بیادوں کا حامل ہے لور دوسروں کا محتاج نہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ دوسری ثقافتوں کے لیے دروازہ بند کر دیں لور ان کو اپنی طرف جذب نہ کریں۔ جی ہاں ہمیں جذب کرنا چاہئے لیکن ایک زندہ جسم کی مانند جو ضروری عناصر کو اپنے لیے جذب کرتا ہے' نہ کہ اس بے ہوش لور مردہ جسم کی مانند جس میں جو چاہتے ہیں داخل کر دیتے ہیں۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی

Marfat.com

پیغام آشنا

سال اول، شمارہ ۳

رجب المرجب ۱۴۲۱ھ / مہر ماہ ۱۳۷۹ ش / اکتوبر ۲۰۰۰ء

ایران اور پاکستان کے ثقافتی تعلقات کے بارے میں مطالعات اور تحقیقات پر مشتمل سہ ماہی مجلہ

مدیر مسئول

ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری، یونیورسٹی پروفیسر و ثقافتی قونصلر ج.ا.ا - اسلام آباد

مشاور

ڈاکٹر سلیم اختر

مدیر داخلی

پروفیسر مقصود جعفری

ترتیب و تدوین

جاوید اقبال قزلباش

کمپوزنگ

ممتاز حسین آخوندزادہ

طباعت

جنرل پرنٹنگ پریس اسلام آباد

ثقافتی قونصلیٹ سفارت اسلامی جمہوریہ ایران - پاکستان

مکان نمبر ۲۵، گلی نمبر ۲۷، F-6/2 - اسلام آباد

فون نمبر 2827937-8 فیکس نمبر: 2821771

ویب سائٹ: http:/www.geocities/paygham_e_ashna

ای میل: paygham_e_ashna@yahoo.com

Marfat.com

مجلس مشاورت

جناب ڈاکٹر محمد سلیم اختر	پرنسپل ریسرچ فیلو' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت' اسلام آباد
جناب ڈاکٹر بشیر انور	ملتان
جناب ڈاکٹر غضنفر مہدی	سیکرٹری انجمن تاریخ و آثار قدیمہ' اسلام آباد
محترمہ ڈاکٹر زاہدہ افتخار	پرنسپل' گورنمنٹ کالج فار ویمن' سیالکوٹ
محترمہ ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ موسوی	سابق صدر شعبہ فارسی' نمل' اسلام آباد

اراکین افتخاری

جناب ڈاکٹر اسحاق ظفر انصاری	ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد
جناب ڈاکٹر سید علی رضا نقوی	سابق صدر شعبہ فقہ اسلامی' اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد
جناب مرتضیٰ موسوی	سابق ڈائریکٹر جنرل' پاکستان نیشنل سنٹر' اسلام آباد
جناب ڈاکٹر سید محمد اکرم	پروفیسر و صدر شعبہ اقبالیات' پنجاب یونیورسٹی' لاہور

Marfat.com

فہرست

سخن مدیر .... ڈاکٹر رضا مصطفوی ۱

اداریہ .... مدیر داخلی ۲

آئینہ ایران

ایرانی صدر کا خطاب اقوام متحدہ کے سربراہ اجلاس میں ۳

ممتاز ایرانی دانشور استاد علامہ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی ...... ڈاکٹر محمد سلیم اختر ۷

اسلام و جہان اسلام

اسلام کا تصور محنت .... مقصود جعفری ۲۵

سید جمال الدین کا مسلمانان عالم کی بیداری میں کردار ...... ڈاکٹر مہر نور محمد خان ۳۰

تصوف و عرفان

حضرت خواجہ باقی باللہ اور وحدت الوجود .... ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی ۴۷

کچھ اندر کی باتیں .... مسرت لغاری ۶۱

فارسی ادب

برصغیر پاک و ہند میں لغت نویسی: ایک تحقیقی جائزہ ...... ڈاکٹر رضا مصطفوی ۶۵

حکیم سنائی غزنوی نعت گو کی حیثیت سے .... ڈاکٹر آغا یمین ۷۶

جمیل بیگ خٹک کی فارسی خدمات .... میاں وکیل شاہ فقیر خیل ۸۵

بیاض صائب (نسخہ شبلی) .... ڈاکٹر رفیع کاظمی ۹۵

مرزا مظہر جان جاناں اور ان کی فارسی شاعری .... ڈاکٹر آصفہ زمانی ۱۰۱

علمائے کوٹلی لوہاران کی فارسی کے لیے خدمات مجیب احمد ۱۱۱

اردو ادب

نعت رسول مقبول (ص) .... ظہیر زیدی ۱۱۹

Marfat.com

سید علی محمد شاد عظیم آبادی .... ڈاکٹر محمود الرحمٰن ۱۲۱

خدیو تفکر جوش ملیح آبادی .... سید عباس حسین کاظمی ۱۳۰

پیغام آشنا .... ظفر عباس ۱۳۵

زندگی صحرا، ہوں تنہا ہمسفر کوئی نہیں .... جاوید اقبال قزلباش ۱۴۶

اقبال شناسی

فکر اقبال کے نفاذ کی راہ میں حائل مشکلات .... سید سکندر عباس زیدی ۱۵۱

روابط ایران و پاکستان

ایران و پاکستان کے ثقافتی تعلقات کی بنیادیں .... ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ عادل ۱۵۹

انٹرویو

ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ موسوی سے ایک گفتگو .... ادارہ ۱۶۵

نئی کتابیں

نقد و تبصرہ کتب .... ادارہ ۱۶۹

اخبار

ثقافتی خبریں .... ادارہ ۱۷۳

قارئین کے خطوط

پیغام آشنا .... ادارہ ۱۸۷

چیدہ مطالب مقالات ـــــــ ادارہ ۱۹۰

(بہ فارسی)

Marfat.com

سخن مدیر

اس کے نام سے جس نے ہستی کو وجود بخشا

ایران و پاکستان کی مشترکہ میراث اتنی وسیع ہے کہ اس کے مختلف زاویوں کے گوناگوں پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لیے سالہا سال کی مدت درکار ہے۔ سہ ماہی پیغام آشنا کی انتظامیہ کو اس چیز سے مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ وہ مجلّے کے تیسرے شمارے کی اشاعت کے ساتھ ان ابعاد کے بعض مخفی گوشوں کے انکشاف کی راہ میں قدم اٹھا رہی ہے۔ ایران اور پاکستان سے متعلق موضوعات کی یہی رنگارنگی اور تنوع اس چیز کا سبب بنتے ہیں کہ ہم دونوں ممالک کے محققین اور دانشوروں سے یہ خواہش کریں کہ ان مشترکات کے گوشوں سے متعلق اپنی تحقیقی کوششیں اس مجلّے میں اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں ممالک کی ثقافت، ادب اور تاریخ سے متعلق ان کے اس مجلّہ میں شائع ہونے والے مطبوعہ مقالات ہمارے مشترکہ روابط کو اور زیادہ استحکام اور استواری عطا کرنے کا باعث بنیں۔

مجلّہ پیغام آشنا اپنا یہ فرض سمجھتا ہے کہ اپنے ان قارئین گرامی کا شکریہ ادا کرے جو محبت آمیز خطوط ارسال کر کے ہمیں توانائی بخشتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی بلند ہمتوں، عزائم اور اس تعاون کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے ایران و پاکستان کے ثقافتی مشترکات کو نمایاں کرنے اور ان کے مابین دوستی کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے مؤثر اقدامات کرتے رہیں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

ڈاکٹر رضا مصطفوی
مدیر مسؤل

Marfat.com

اداریہ

پیغامِ آشنا کی پرواز

قارئین کرام اس علمی، تحقیقی، اور ادبی مجلّے کی آسمان ادب کی بلندیوں پر پرواز کے آغاز کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران اس کے شہپروں نے، جو ملک کے مایہ ناز ادباء شعراء اور محققین ہیں، قلم کے جوہر خوب دکھائے ہیں۔ ہم اپنے ہم پروازوں اور قارئین کرام دونوں ہی کے شکر گزار ہیں، جنہوں نے اس اڑان میں ہمیں تقویت دی اور محبتوں سے نوازا۔ چنانچہ ہماری دعوت کے جواب میں ملک کے طول و عرض سے مفکرین، دانشور اور لکھاری ہمیں اپنے رشحات قلم مسلسل ارسال کر رہے ہیں۔ جہانِ علم و ادب کی مختلف زاویوں سے خدمت کے سلسلے میں یہ قلمکار قابل ستائش ہیں۔

اس دور میں جب قحط فکر اور قحط الرجال ہے ہم ان علمی و ادبی شہ پاروں سے ارباب ذوق کی تسکین ذوق کی سعی کرتے ہیں۔

ہم اور ہمارے قلمکار اپنی کاوشوں میں کس درجہ کامیابی حاصل کر چکے ہیں یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا کام ہے جو اس مجلّے کی علمی سطح اور کیفیت کے تعین کی بہترین میزان ہیں! ہمیں آپ سے امید ہے کہ اپنے قیمتی مشوروں اور آرا ارسال کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

ہم ایک بار پھر ملک کے ادباء و شعرا اور محققین سے گزارش کرتے ہیں کہ قلمی تعاون اور علمی خدمت کی رفتار کو نہ صرف برقرار رکھیں بلکہ اسے سرعت اور عمق عطا کریں تاکہ یہ مجلّہ ادبی دنیا میں خدمت و عظمت کا ایک روشن نشان اور امتیازی سند کی حیثیت اختیار کر لے اور یہ درحقیقت آپ کی اپنی کامیابی کا درخشندہ باب ہوگا۔

مقصود جعفری

مدیر داخلی

Marfat.com

آئینہ ایران

Marfat.com

Marfat.com

صدر اسلامی جمہوریہ ایران

عزت مآب جناب سید محمد خاتمی کا خطاب

(اقوام متحدہ کی نئی ہزاری سربراہان مملکت اجلاس' مورخہ ۶ ستمبر ۲۰۰۰ء کے موقع پر)

محترمہ صدر صاحبہ!
محترم صدر صاحب!
محترم سیکرٹری جنرل صاحب' خواتین و حضرات!

ابتدا میں نئی صدی کے ابھرتے ہوئے چیلنجوں کے سلسلے میں جامع رپورٹ پیش کرنے پر اسلامی جمہوریہ ایران کی طرف سے ممتاز سیکرٹری جنرل کی کاوش کو سراہنا چاہتا ہوں۔ بیسویں صدی کے سفر سے بکھری اور دردمند انسانیت جو' خون' مصائب' اور تعصبات سے آلودہ ہو چکی ہے' نئی صدی میں ایک بہتر مستقبل کا مشتاقانہ اور والہانہ انتظار کر رہی ہے۔ ایک ایسے مستقبل کا انتظار جو عدل و انصاف' وقار اور انسانی حقوق کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہو!

آج کی دنیا میں اقتدار اور طاقت کے ڈھانچے کی اصلاح ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے بین الاقوامی سطح پر جمہوری قانون کی شناخت کی ضرورت ہے۔ ایسی جمہوریت جس کا اپنے مختلف مظاہر سے ممتاز ہونا ضروری ہے اور جس کی خصوصیات میں' انسان کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جانا' اقتدار خاص طور پر سیاسی اقتدار کا تعین جو عوام کی آزادانہ رائے اور انتخاب سے وجود میں آیا ہو' نیز لوگوں کی مسلسل جانچ پڑتال میں اس کا استعمال ہونا' اور ایسے انسانی احتسابات کا اداروں کی شکل اختیار کرنا' شامل ہیں۔ جمہوریت کی کسی خاص قسم کو واحد اور آخری ماڈل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

آیئے ہم اس چیز کی اجازت دیں کہ جمہوری زندگی کے لیے روحانیت اور اخلاقیات کے پس منظر میں جمہوریت کے ایک اور ماڈل کی تشکیل کے لیے انتھک جدوجہد کی جائے۔

آیئے ہم جدوجہد کریں کہ وہ چند طاقتیں جو' جانے پہچانے قسم کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں کے ذریعے ایسی غیر جمہوری حکومتوں کی تائید کرتی ہیں جو اپنی عوام کی خواہشات اور ضروریات کا مثبت جواب نہیں دیتیں' وہ (طاقتیں) دنیا میں مختلف حوادث اور واقعات کے سلسلے میں دوہرے اور تہرے معیار اختیار کر کے انسانیت کے مفادات کو پس پشت نہ ڈالیں۔

آیئے ہم جمہوری اصولوں کی ایسی تعمیل کریں جو نہ صرف اندرون وطن اچھی حکمرانی کا معیار ہوں بلکہ وہ نئے اصول کے طور پر عالمی سماج' جس کے اجزا میں شامل قومیں برابر کے حقوق اور وقار کے سلسلے میں ایسی ہی ہوں جیسے قومی ریاستوں کے اندر برابر سطح کے افراد ہوتے ہیں' میں وقوع ہونے والے باہمی عمل کو کنٹرول کریں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا اقوام متحدہ اس قابل ہے کہ وہ ایسی بصیرت کی بنیاد پر اپنی بنیادوں کی تشکیل و تعمیر نو کرے۔

محترمہ صدر صاحبہ!

محترمہ صدر صاحب!

معزز شرکاء!

دنیا کو زیادہ کھلے ماحول اور آزادی و مکمل و وسیع عدالت کی ضرورت ہے۔ ہمارے عالمی ماحول میں ''طاقت و اقتدار کا تحفظ اور توسیع'' باہمی سیاسی تبادلوں کے زبانی ابلاغ اور اس کے نمونوں کے معتدبہ حصے کو تشکیل دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں گہرے فلسفیانہ' ثقافتی اور دینی مسائل کو نظرانداز کرتے ہوئے سیاسی فکر و عمل ظاہر ہوا ہے۔

سیکرٹری جنرل کی رپورٹ کے مطابق ''ضرورت و احتیاج سے آزادی'' ''خوف سے رہائی'' اور ''ہمارے مستقبل کی امداد'' صرف اس صورت میں حصول پذیر ہے کہ ہم عالمی تعلقات کی تعریف کھلے اور متوازن مذاکرات کے ذریعے کریں۔

جنرل اسمبلی کے ترپن ویں اجلاس میں' میں نے ابتدائی طور پر یہ تجویز پیش کی

Marfat.com

کہ ۲۰۰۱ء کو اقوام متحدہ کا تمدنوں کے مابین گفتگو کا سال قرار دیا جائے تمدنوں کے مابین ایسی گفتگو کا مقصد "عالمی تعلقات کی اصلاح" اور یکطرفہ تعلقات' اور سیاسی و ثقافتی خود کلامی کے تسلط کو روکنا ہے۔ اب وقت آ چکا ہے کہ عالمی تبغیرات کے میدان میں مزید اقدام کیے جائیں۔

گلوبلائزیشن کے عمل نے' جو عالمی تغیرات میں سے سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے' انسانی معاشروں کے لیے نئے آفاق کھول دیئے ہیں' ہر چند کہ یہ عمل طاقت اور سرمایہ کی اجارہ داریوں سے متاثر ہوا ہے۔

یہاں ہمیں یہ جدوجہد کرنی چاہیے کہ قومی گنجائشوں اور جمہوری حکومتوں کے اقتدار کو بڑھائیں تاکہ بین الاقوامی سطح پر احتساب میں اضافہ ہو سکے۔ اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ عالمی برادری کے تمام اراکین بشمول حکومتوں اور شہری انجمنوں کے بین الاقوامی فیصلہ سازی کے عمل میں فعال اور مؤثر شرکت کے لیے گنجائش بڑھائی جائے۔

کیا وہ وقت نہیں آیا ہے کہ مذاکرات و گفتگو تحمل و روابط اور باہمی تعاون پر مبنی عالمی شراکتی نظام کی بنیادیں رکھنے کے لئے اقوام متحدہ کو نئی ذمہ داریاں سونپنے کے لیے جدوجہد کی جائے؟

جنرل اسمبلی کے ترپین ویں اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران میں نے رہبر معظم انقلاب اسلامی کی طرف سے اقوام متحدہ اور خصوصاً سیکیورٹی کونسل کی انتظامیہ اور کارکردگیوں میں سے تعصب دور کرنے اور تمام قوموں کے لیے برابر حقوق کی شناخت کی تجویز پیش کی۔

اس تجویز پر غور کیا جانا ابھی باقی ہے۔

آج میں اس عظیم قوم کے نام پر' جس کا طویل اور قدیم تمدن ہے اور جس نے اپنے عالیشان اور روحانی انقلاب کے ذریعے مذہبی پس منظر میں عوامی حکومت کی تشکیل کے لیے ایک نئے تجربے کا آغاز کیا ہے' کہتا ہوں کہ اس کے بعد کسی بھی قوم کو سیاسی' ثقافتی اور اقتصادی میدانوں سے نہ تو میدان سے خارج اور نہ ہی دباؤ میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ دنیا اس

Marfat.com

کے تمام باشندوں کی ملکیت ہے۔ آج معاصر دنیا میں قومی یا بین الاقوامی سطحوں پر دوہرے معیار قابل قبول نہیں ہیں۔

آج بین الاقوامی تعلقات کی منطق کو تبدیل کرنا ہمارا فریضہ ہے تاکہ یہ طاقت اور اقتدار کی منطق سے دور کی جائے۔

تیسری ہزاری کی ابتدا میں اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ دنیا سے یہ کہا جائے کہ وہ ہوس جاہ و اقتدار کے سامنے نہ جھکنے بلکہ مذاکرات اور بالآخر ہمدردی محبت اور روحانیت کی راہ اختیار کرے۔

آیئے ہم اقوام متحدہ کو اس بات کا اختیار دے دیں کہ وہ عالمی انتظام کی بہتری کی جدوجہد میں توانا تر اور مفید تر صورت اختیار کر کے مدد کرے۔

❖❖❖

Marfat.com

علم کہتا ہے کتابوں کا سمندر ہو جا
عقلِ ناداں کا اشارہ ہے سکندر ہو جا
علم اور عقل کے مٹتے ہوئے دو راہے پر
عشق نے دی ہے صدا مست قلندر ہو جا

افضل جعفری مرحوم

Marfat.com

استاد ڈاکٹر جعفر شہیدی

Marfat.com

ممتاز ایرانی دانشور

استاد علامہ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی

ڈاکٹر محمد سلیم اختر*

ذاتِ باری تعالیٰ پر پختہ ایمان اور توکل، رسولِ اکرمؐ اور آپؐ کی آلِ اطہار کے ساتھ غیر معمولی عشق وارادت؛ اخلاص ومروت، صمیمیت وصفا، خوشروئی وخندہ پیشانی اور حق گوئی وحق شناسی میں معروف؛ غیبت وبد گوئی سے کوسوں دور؛ لاف زنی، تفاخر اور نمائش سے متنفر ایک کامیاب عملی زندگی گذارنے کے باوصف دنیا و مافیہا سے غیر معمولی طور پر بے اعتناء؛ بلند ہمت پختہ ارادہ، معمولاتِ زندگی میں وارستہ وآزادہ؛ شہرت طلبی سے مبالغے کی حد تک گریزاں؛ فروتنی وانکساری حد سے بڑھی ہوئی؛ صبر ورضا کا یہ عالم کہ انہیں دیکھ کر زہد ورہبانیت کا گمان ہو؛ مناعتِ نفس، پاکیزگی اور پاکدامنی پر اوائل عمر ہی سے سختی سے کاربند؛ ہمہ وقت باوضو؛ نماز کی ادائیگی میں اول وقت کا التزام مدام، سفر ہو کہ حضر شب زندہ داری اور تلاوتِ کلام اللہ مجید ہمیشہ کا معمول؛ قوتِ حافظہ، حضورِ ذہنی اور استحضار مطالب میں اپنی مثال آپ؛ فقہ واصول میں مجتہد؛ اسلامی تاریخ کے مطالعہ ومداقہ سے سالہاسال کا شغف؛ زبان وادبیات عرب وایران کے ناپیدا کنار سمندر کے ایک مسلمہ اور مشاق شناور؛ تصنیف وتالیف، تعلیم وتعلم اور تقریر وتحریر کے شعبوں میں نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا شبانہ روز کا مجسم ریاض ـــــ یہ ہیں دانشگاہِ تہران کے استاد ممتاز جناب ڈاکٹر سید جعفر شہیدی۔

آپ ۱۹۱۸ء میں بروجرد کے ایک متوسط قسم کے سید گھرانے میں پیدا ہوئے، خاندانی حالات کچھ ایسے تھے کہ شروع عمر ہی سے کسب معاش کے لیے کوشاں ہونا پڑا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور جب بروجرد کے محدود علمی امکانات

۱

* پرنسپل ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

Marfat.com

آپ کی علمی پیاس بجھانے میں ناکام رہے تو پ نے ۱۹۴۱ء میں نجف اشرف کا رخ کیا۔ بروجرد سے روانگی سے قبل شرح لمعہ اور قوانین کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نجف پہنچ کر آپ نے پہلے ان کتب کی تکمیل کی، پھر رسائل مکاسب پڑھے، اور اس طرح ہوتے ہوتے فقہ واصول میں اجتہاد کے درجے پر فائز ہو گئے۔ عراق میں قیام کے دوران آپ کو متعدد علمی شخصیات سے ملاقات اور استفادے کا موقع ملا، البتہ آپ کا زیادہ وقت آیت اللہ سید محمود شاہرخی اور حاج سید ابوالقاسم خوئی کی خدمت میں بسر ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں علالت کے باعث آپ کو بغرض علاج تہران آنا پڑا، لیکن یہاں کی خاک آپ کے کچھ ایسی دامن گیر ہوئی کہ آپ پھر لوٹ کر عراق نہ جا سکے۔ آپ نے مدرسہ عالی سپہ سالار (شہید مطہری) کی اوپر کی منزل میں ایک حجرے میں اقامت اختیار کی اور وہاں ہر ہفتے "اصحاب چہار شنبہ" کی مجالس علمی میں باقاعدہ شرکت کے علاوہ، امرار معاش کے لیے تہران یونیورسٹی کے دانشکدہ ادبیات کے کتب خانہ میں فہرست نویس کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد آپ علامہ علی اکبر دہخدا کی زیر نگرانی ان کے لغت نامہ کی ہیئت تحریریہ میں بھی شامل ہو گئے۔

یوں تو اس زمانے میں بھی آپ ایک فقیہ، اُصولی اور مورخ کے طور پر پہچانے جاتے تھے، لیکن حالات کا رخ دیکھتے ہوئے آپ نے اپنے دوست (ڈاکٹر) مہدی محقق (۱) کی تشویق سے ۱۹۵۰ء میں تہران یونیورسٹی کے دانشکدہ معقول ومنقول میں داخلہ لے لیا، اور ۱۹۵۲ء میں وہاں کا درس مکمل کر کے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس سے قبل ۱۹۵۱ء میں آپ کو محکمہ تعلیم میں مدرس کے طور پر ملازمت مل گئی تھی، اور آپ نے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تہران کے ثانوی مدارس میں پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ انہی دنوں آپ کے سسر علامہ سید غلام رضا سعیدی نے فروغِ علم کے نام سے تہران سے جدید نہج پر اسلامی افکار کی ترویج کے لیے ایک علمی مجلّے کا اجرا کیا تو اسکی ادارت کی ذمہ داری بھی ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے کندھوں پر آن پڑی۔ یہ وہی دور تھا جب ایران میں تیل کی صنعت کے قومیائے جانے کے سلسلے میں تحریک بڑے زور شور سے جاری تھی۔ آپ نے اس تحریک میں بھی بھرپور

Marfat.com

حصہ لیا، اور اخبارات و جرائد میں اس موضوع پر متعدد مقالے لکھے۔ اپنی ان گوناگون مصروفیات کے باوجود استاد شہیدی نے ۱۹۵۶ء میں تہران یونیورسٹی سے فارسی زبان وادب میں بھی بی اے کا امتحان پاس کیا، اور پھر ۱۹۶۱ء میں اسی یونیورسٹی سے مشہور ایرانی قصیدہ گو شاعر اوحدالدین انوری ابیوردی (متوفی ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء) پر، نامور ایرانی اسکالر ڈاکٹر محمد معین کی راہنمائی میں تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری سے سرافراز ہوئے، اور پھر اسی سال آپ کے تہران یونیورسٹی میں تدریس پر مامور کر دیا گیا۔

لغت نامہ دھخدا ۳۳×۲۲ سنٹی میٹر (رحلی بزرگ) سائز کے کوئی ۲۷۰۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ایک عظیم علمی کارنامہ ہے، جس کو خواب سے حقیقت کے روپ میں لانے کے لیے سوا سو کے قریب ایران کے نامی اہل علم و قلم نے کئی دہائیوں تک شبانہ روز محنت کی اور طرح طرح کی صعوبتیں انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی نجف سے تہران آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کے مؤلفین میں شامل ہو گئے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ کو اس ادارے کے اس وقت کے سربراہ، اور آپ کے استاد، ڈاکٹر محمد معین کا معاون، اور پھر ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر معین کی طویل علالت کے بعد انتقال پر، سازمان لغت نامہ دھخدا کا سربراہ بنا دیا گیا۔ آپ نے اس خطیر ذمہ داری کو، اور فرہنگ معین کی تکمیل کے عظیم کام کو، جو فاضل مصنف کی وفات کے باعث نامکمل رہ گیا تھا، جس حسن و خوبی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا، وہ آپ ہی کا حصہ ہے، اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ نے ان اضافی ذمہ داریوں کے لیے، اور یہاں تک کہ لغت نامہ کے لیے اس اثنا میں جتنے بھی مقالے سپرد قلم کیے، ان کا کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا، اور تہران یونیورسٹی کے پروفیسر کے طور پر، جہاں آپ دو دفعہ صدر شعبہ عربی کے منصب پر فائز رہے، آپ کو جو تنخواہ اس سے پہلے ملتی تھی، اسی پر اکتفا کرتے رہے اور یہی آج تک آپ کا معمول ہے۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی مختلف علمی مراکز اور یونیورسٹیوں کی دعوت پر متعدد دفعہ اردن، شام، لبنان، لیبیا، الجزائر، مراکش، سعودی عرب، ترکی اور افغانستان کے دورے کر چکے ہیں۔ ایران سے انگلستان، فرانس، اٹلی، امریکہ اور چین جانے والے علمی وفود کی رکنیت

Marfat.com

کا شرف بھی آپ کو حاصل رہ چکا ہے۔ حکومت ایران کی طرف سے عطا ہونے والے مختلف علمی اعزازات کے علاوہ، آپ کو ۱۹۹۴ء میں بیجنگ یونیورسٹی کی طرف سے اعزازی ڈاکٹریٹ سے بھی نوازا گیا۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے شاگرد ایران کے علاوہ، بشمول پاک وہند، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کئی دفعہ پاکستان بھی تشریف لا چکے ہیں۔ اس ملک کے ساتھ آپ کی دلچسپی کا ایک سبب آپ کے مرحوم سسر غلام رضا سعیدی کی پاکستان، اقبال اور حضرت قائد اعظم کے ساتھ والہانہ محبت بھی ہے، جنہوں نے ان موضوعات پر نہ صرف متعدد گرانقدر علمی مقالے ایرانی مطبوعات و جرائد میں شائع کیے بلکہ حیاتِ قائد اعظم پر مشہور انگریز مصنف ہیکٹر بولیتھو (۲) کی کتاب کو بھی انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کر کے ۱۹۵۷ء میں تہران سے شائع کیا۔ استاد سعیدی کے نزدیک قائد اعظم محمد علی جناح ایشیا کے عظیم ترین سیاسی رہنما اور مدبر تو تھے ہی، لیکن اگر وہ اور ان کے جان نثار رفقا ہندوؤں کے نو ظہور استعمار کے خلاف ''بصیرت، درایت اور استقامت'' کا وہ مظاہرہ نہ کرتے جو انہوں نے کیا، تو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی سرنوشت اسلام کے زوال کے بعد اسپین میں مسلمانوں کی سرنوشت سے مختلف نہ ہوتی۔ (۳)

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کا شمار جدید ایران کے ممتاز ماہرین اقبالیات میں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی شخصیت پر علامہ سید غلام رضا سعیدی کے گہرے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سید غلام رضا سعیدی نے قائد اعظم کی طرح اقبالؒ پر بھی ایک کتاب (۴) یادگار چھوڑی ہے جس میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت کا مقصد اسلامی ایرانی معاشرے کے جدید ذہن کے مالک اور روشن فکر جوانوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اور آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو عالم مشرق کے اس عظیم مفکر اور دانشور کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالیں، اور اس بات کو انتہائی فخر اور انبساط کے ساتھ اپنے اذہان میں جاگزیں کر لیں کہ اگر اینگلو سیکسن نژاد لوگوں کو شیکسپیر پر، اہل

Marfat.com

فرانس کو وکٹر ہیوگو کی ذات پر، اور جرمنی کے باشندوں کو گوئٹے کی شخصیت پر فخر ہو سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی معاشرے، بالخصوص ایران اور پاکستان کے لوگ علامہ اقبالؒ کی ذات پر فخر نہ کر سکیں۔

علامہ سعیدی ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ فارسی اور عربی کے ایک بیباک، موثر اور صاحب طرز ادیب، انشا پرداز، اور مقرر بھی تھے۔ انقلاب ایران کے بعد اور اس سے کچھ پہلے خاص طور پر ڈاکٹر علی شریعتی کی اقبال سے شدید ارادت کے باعث حضرت علامہ کو ایران میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن اس سے پہلے کے دور میں جن لوگوں نے اقبال کے پیغام کو سمجھا اور پورے خلوص کے ساتھ اس کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی، ان میں علامہ غلام رضا سعیدی کا نام بالخصوص قابل ذکر ہے۔ ایران کے علمی ماحول سے آشنا پاکستانی اہل علم تو بارہا ان کی ان خدمات کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں لیکن خاص طور پر اس حوالے سے پاکستان کے علمی حلقوں اور حکومتی اداروں کی طرف سے ان کی ان کاوشوں کا رسمی اعتراف ہونا ابھی باقی ہے۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے علمی مقالات عربی زبان میں العدل الاسلامی (نجف)، منبرالاسلام (قاہرہ)، الاصالۃ (الجزائر)، المعرفۃ (دمشق)، الہادی (قم)، الفکر الاسلامی اور الاخاء (تہران) میں، اور فارسی زبان میں دانش، یغما، وحید، گوہر، مجلہ دانشکدہ ادبیات و علوم انسانی (دانشگاہ تہران)، مجلہ دانشکدہ ادبیات (دانشگاہ مشہد)، اور مجلہ اوقاف (تہران) میں شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کا شمار ایران کے انتہائی کثیر التألیف اور پرکار مصنفین اور اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے آثار کو نوعیت کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

Marfat.com

(ا) تألیفات :

۱- مہدویت در اسلام، پیرامون نوشتہ ہای احمد کسروی، اشاعت اول، بروجرد، ۱۳۲۴ش / ۱۹۴۵ء

۲- جنایاتِ تاریخ، جلد اول ودوم، تہران، کتابفروشی حافظ، ۱۳۲۷ش / ۱۹۴۸ء ؛

۳- جنایاتِ تاریخ، جلد سوم، تہران، دفتر نامہ فروغ علم، ۱۳۲۹ش / ۱۹۵۰ء ؛

۴- چراغ روشن در دنیای تاریک یا زندگانی امام سجاد(ع)، تہران، کتابفروشی وچاپخانہ محمد حسن علمی، ۱۳۳۵ش / ۱۹۵۶ء ؛

۵- در راہ خانہ خدا، تہران، دانش نو، ۱۳۵۶ش / ۱۹۷۷ء ؛

۶- در دیارِ آشنایان، تہران، مجلہ یغما، ۱۳۵۸ش / ۱۹۷۹ء ؛

۷- پس از پنجاہ سال، پژوھشی تازہ پیرامون قیام امام حسین علیہ السلام، تہران، امیر کبیر، ۱۳۵۸ء ؛ اشاعت شانزدھم، دفتر نشر فرہنگ اسلامی ؛ ۱۳۷۲ش / ۱۹۹۳ء ؛

۸- شرح لغات و مشکلات دیوان انوری، اشاعت اول، تہران، انجمن آثار ملی، ۱۳۵۸ش / ۱۹۷۹ء اشاعت دوم، انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۲ش / ۱۹۸۳ء ؛

۹- تاریخ تحلیلی اسلام تا پایان امویان، تہران، مرکز نشر دانشگاہی، ۱۳۶۲ش / ۱۹۸۳ء ؛

۱۰- زندگی حضرت فاطمہؑ، اشاعت اول، تہران، دفتر نشر و فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۰ش / ۱۹۸۱ء ؛ اشاعت ھجدھم، ۱۳۷۳ش / ۱۹۹۳ء ؛

۱۱- زندگانی علیؑ بن الحسین(ع)، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۵ش / ۱۹۷۶ء ؛ اشاعت پنجم، ۱۳۷۲ش / ۱۹۹۴ء۔

۱۲- آشنائی با زندگانی امام صادق (ع) تہران، جامعۃ الامام الصادق، ۱۳۶۲ش / ۱۹۸۳ء ؛

۱۳- عرشیان، قم، نشر مشعر، ۱۳۷۱ش / ۱۹۹۲ء ؛

۱۴- شرح مثنوی شریف، تہران، انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۷۳ش / ۱۹۹۴ء،

Marfat.com

(جلد چہارم: مرحوم استاد بدیع الزمان فروزانفر کی شرح مثنوی شریف کی پہلی تین جلدوں کا تسلسل)

۱۵- از دیروز تا امروز' مجموعہ مقالہ ہا' بہ کوشش ھرمز ریاحی و شکوفہ شہیدی' تہران' انتشارات قطرہ' ۱۳۷۳ش / ۱۹۹۴ء۔

(ب) تصحیح و تعلیق متون:

۱- آتشکدہ آذر اثر لطفعلی بیگ آذر بیگدلی' تصحیح و مقدمہ و فہرست و تعلیقات' تہران' مؤسسہ نشر کتاب' ۱۳۳۷ش / ۱۹۵۷ء'

۲- درہ نادرہ اثر میرزا محمد مہدی خان استر آبادی' اشاعت اول' تہران' انجمن آثار ملی' ۱۳۴۱ش / ۱۹۶۲ء؛ اشاعت دوم' تہران' انتشارات علمی و فرہنگی' ۱۳۶۶ش / ۱۹۸۷ء؛

۳- براھین العجم اثر محمد تقی سپہر' حواشی و تعلیقات' تہران' دانشگاہ تہران' ۱۳۵۱ش / ۱۹۷۲ء۔

(ج) تراجم:

۱- ابوذر غفاری' نخستین انقلابی اسلام' اشاعت اول' ۱۳۲۰ش / ۱۹۴۱ء؛ اشاعت سوم' تہران' نشر سایہ' ۱۳۷۰ش / ۱۳۹۱ء؛

۲- شیرزن کربلا اثر بنت الشاطی' بروجرد' ۱۳۳۲ش / ۱۹۵۳ء؛

۳- انقلاب بزرگ اثر ڈاکٹر حسین' تہران' موسسہ مطبوعاتی اکبر علمی' ۱۳۳۶ش / ۱۹۵۷ء؛

۴- ترجمہ نہج البلاغہ' اشاعت اول' تہران' سازمان انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی' ۱۳۶۸ش / ۱۹۸۹ء؛ اشاعت ششم' ۱۳۷۳ش / ۱۹۹۴ء؛

(د) مجموعہ ہا:

۱- محمد خاتم پیامبران' جلد اول و دوم' تہران' حسینیہ ارشاد' ۱۳۴۷ش / ۱۹۶۸ء'

Marfat.com

۲- یاد نامہ علامہ امینی' باھمکاری محمد رضا حکیمی' تہران' ۱۳۵۱ش / ۱۹۷۲ء۔

۳- محیط ادب' مجموعہ سی گفتار بہ پاس پنجاہ سال تحقیقات و مطالعات سید محمد محیط طباطبائی' باھمکاری حبیب یغمائی' محمد ابراہیم باستانی پاریزی' و ایرج افشار' تہران' مجلّہ یغما' ۱۳۵۷ش / ۱۹۷۸ء۔

عمر بھر دشت علم کی اس بھرپور سیاحی کے باوجود کمال یہ ہے کہ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی اپنی رائے اور عقیدے کو کبھی حرفِ آخر نہیں سمجھتے' بلکہ نئی نئی باتیں سیکھنے کی دھن اور علم و ادب اور طلاب علم کی خدمت کے جذبے سے سرشار اس ۸۰ سال سے اوپر کے سن میں بھی' ایک تیس سالہ جوان کی طرح ہمیشہ کوشاں اور فعال نظر آتے ہیں۔ آپ جب نجف اشرف سے تہران منتقل ہوئے اور مدرسہ عالی سپہ سالار میں آپ نے اقامت اختیار کی' تو وہاں دوپہر کے آس پاس مدرسہ عالی کے اکاونٹنٹ مرحوم احمد راد کے دفتر میں اہل علم کی ایک مختصر سی جماعت جس میں احمد آرام' علی محمد عامری' حسن مبرھن' استاد محمد معین' استاد مجتبیٰ مینوی' ڈاکٹر موسوی بہبھانی' ڈاکٹر احمد مہدوی دامغانی' استاد شہید مطہری' شیخ عبداللہ نورانی' استاد سید محمد فرزان' شیخ محمد علی حکیم' استاد محیط طباطبائی' حبیب یغمائی' حسین حذیوجم' ڈاکٹر غلامحسین یوسفی' ڈاکٹر ابراہیم تیموری' وحید ماژندرانی' اور ڈاکٹر مہدی محقق جیسے علم کے شیدائی شامل تھے' مختلف علمی موضوعات پر غیر رسمی تبادلہ خیالات اور ایک دوسرے سے ملنے کے لیے ہر چہار شنبہ کو جمع ہوتے اور دو تین گھنٹے کی اس بے تکلف نشست کے بعد جس میں دوپہر کا کھانا بھی شامل ہوتا' پھر اپنے اپنے کاموں پر نکل جاتے۔ اپنے اس باقاعدہ تجمع کے باعث یہ لوگ اصحاب چہار شنبہ کے نام سے مشہور تھے۔(۵) ڈاکٹر سید جعفر شہیدی بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ انقلاب ایران کے کئی سال بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن جب بعض احباب کے انتقال اور کچھ کی پیرانہ سالی کے باعث آہستہ آہستہ ان مجالس کا انعقاد ماند پڑنے لگا' اور دوسری طرف لغت نامہ دھخدا میں ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے انہماک میں اضافہ ہو گیا تو انھوں نے اپنے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے طلبا کو سازمان لغت نامہ دھخدا ای

Marfat.com

میں بلا کر ہر بدھ کو ان کی کلاسیں تشکیل دینا شروع کر دیں۔ نئے طلباو طالبات کا تو ان کلاسوں میں آنا خیر فطری بات تھی' ہوتے ہوتے نوبت یہاںتک پہنچ گئی کہ عماد خراسانی کے اس بیت کے مصداق کہ:

همه خفتند به غیر از من و پروانه و شمع

قصه ما دو سه دیوانه دراز است هنوز

بعض ایسے لوگ جو سالہاسال سے رسماً فارغ التحصیل ہو چکے تھے' مدتوں بعد وہ بھی استاد کے محضر سے استفادے کی غرض سے زندگی کے سارے معمولات چھوڑ کر آپ کے چہار شنبہ کے درس آزاد میں شرکت کے لیے کھنچے چلے آنے لگے۔ نتیجتاً استاد جعفر شہیدی کی ہمت سے اصحاب چہار شنبہ کی ایک نئی پود تیار ہو گئی جس کے تیور بتا رہے ہیں کہ آئندہ کے مجتبیٰ مینوی' محمد معین اور سید جعفر شہیدی انہیں کی صفوں سے اٹھیں گے۔ جن تشنگان علم کی پیاس چہار شنبہ کو بھی نہیں بجھتی وہ جمعہ کے روز استاد کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔

ایران عراق جنگ کے دوران بھی کلاسوں کا یہ معمول جاری رہا' چونکہ استاد کی نظر میں ان حالات میں کلاسوں کی تشکیل سے پہلو تہی کرنا جہاد سے غفلت برتنے کے مترادف تھا۔ انہی دنوں میں اتفاق سے آپ کو یکے بعد دیگرے دو انتہائی دردناک ذاتی حوادث کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف آپ کے ایک بھائی وفات پا گئے اور دوسری طرف یہ اطلاع ملی کہ آپ کے جوانسال صاحبزادے سید احسان جو شیراز یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے' میدان جنگ میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ استاد شہیدی کے حوصلے کی داد دیجیے کہ کلاسوں کا حسب معمول جاری رہنا تو اپنی جگہ' آپ کے بعض نزدیک ترین رفقا کو بھی ان حوادث کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ بعد میں جب بات نکلی اور بعض اصحاب نے گلہ کیا تو آپ کا جواب مختصراً یہ تھا کہ اگر آپ کو پتہ چل بھی جاتا تو آپ کیا کر لیتے' سوائے اس کے کہ آپ بھی خواہ مخواہ میری وجہ سے پریشان ہوتے۔ اسی دوران جب آپ کے ایک ہونہار شاگرد ڈاکٹر یداللہ شکری بھی خالق حقیقی سے جا ملے تو استاد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس موقعے کی مناسبت سے آپ نے یہ پردرد مرثیہ لکھا' خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا:

Marfat.com

رہِ سیلابِ سرشک از مژگان باز کنید
سرِ زخم از جگرِ غمزدگان باز کنید
خرمنِ ماہ ز سوزِ نفس آتش بزنید
شررش تا بہ رہِ کاھکشان باز کنید
خون ز غم در جگر افسرد و گرہ بست بہ دل
گرھش تا کہ نیارد خفقان' باز کنید
اشک در دیدہ و خون در جگر ار نیست کنون
ز تنِ کوفتہ باری رہِ جان باز کنید
روزنی تا بہ طرب گر کہ گشادہ است ہنوز
بنہید و در غم مویہ کنان باز کنید
شمعِ ما را چو فلک کشت ز سقفش بہ قصاص
حلقہ مشعلِ شعرای یمان باز کنید
دستبردی بہ رہ زد حادثہ راھش ببرید
تا کہ آن بستہ بہ رہِ حدثان باز کنید
آن گلی را کہ بپروردمش از چشمہ جان
از گزندِ دی و سرمای خزان باز کنید
آن امانت کہ گرفتید چہ کردید' کجاست؟
بہ من آریدش و گردن ز ضمان باز کنید
باری از دفترِ عرش نتوانید گشود
دفترِ نوحہ آن زندہ روان باز کنید

دو ایک برس کے بعد ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کی زوجہ محترمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے پھر اسی طرح غیر معمولی صبر و حوصلے کا مظاہرہ کیا' لیکن جب آخری وداع کے لیے آپ نے اپنے فرزندوں کو مرحومہ کی قبر کے نزدیک بلایا تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بے

Marfat.com

اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی جیسے مقصد کی لگن والے افراد کسی بھی معاشرے میں بلاشبہ پوری قوم کے ماتھے کا جھومر ہوتے ہیں۔ ان کی جتنی بھی توقیر کی جائے کم ہے۔ وطن عزیز میں تعلیم کے تجارت بننے سے قبل اگر زیادہ نہیں تو خال خال ایسے عظیم افراد ضرور موجود تھے جن کا ذکر آج کتابوں میں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ:

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی!
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!

ایک ایسی ہی فرشتہ سیرت ہستی کا ذکر صوبہ پنجاب کے ایک سابق انسپکٹر جنرل آف پولیس سردار محمد چوہدری صاحب نے اپنی سوانح عمری متاعِ حیات میں بڑے مزے سے کیا ہے جو سننے سے تعلق رکھتا ہے:

آٹھویں جماعت میں اس وقت ایک امتحان ہوتا تھا جس کا نام تھا اینگلو ورنیکولر فائنل امتحان' اور وہ پورے پنجاب کی سطح کا امتحان ہوتا تھا جس میں بہترین نمبر لینے والے طلباء کو وظائف ملتے تھے۔ ہمارے سکول سے مجھے'... اس امتحان کے لیے منتخب کیا گیا۔ شیخ غلام قادر ہمارے انگریزی کے استاد تھے۔ وہ ہمیں چھٹی کے بعد کافی دیر تک اس امتحان کی تیاری کے لیے پڑھاتے رہتے۔ لاہور اردو بازار سے بہت اچھی اچھی کتابیں اپنے خرچے پر ہمارے لئے منگواتے اور پڑھاتے۔ اتوار یا دوسری کسی چھٹی کے دن ہمیں اپنے گھر پر پڑھاتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور کرسمس ہالیڈیز پر بھی اور اس کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ معاوضہ ہم دینے کی حیثیت ہی میں نہ تھے۔ بلکہ زیادہ وقت گزر جائے تو اپنے گھر سے ہمیں کھانا بھی کھلاتے۔ وہ کبھی بھی کسی صورت چھٹی نہیں کرتے تھے۔ پاگل پن کی حد تک محنتی انسان تھے۔ انہیں صرف ایک ہی شوق تھا کہ ان کے شاگرد بہترین طالب علم بنیں اور یہی ان کا پرائیڈ تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ کبھی تو چھٹی ہو جیسے کہ بچوں کی ایک فطری عادت ہوتی ہے مگر چھٹی کہاں لحہ بھر کے لیے فارغ نہ چھوڑتے۔

ایک دن ہم ان کے گھر پڑھنے کے لیے صبح صبح پہنچے تو معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب گھر پر موجود نہیں۔ رات کو ان کی جوان بیٹی جو تپ دق کی مریضہ تھی کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ اس کو دفنانے گئے ہیں۔ قبرستان ساتھ ہی تھا۔ ہم نے سوچا ہم بھی قبرستان چلتے ہیں لیکن دیکھا تو ماسٹر جی کچھ اور لوگوں کے

Marfat.com

ساتھ واپس آرہے ہیں اور ہم دبک کر بیٹھ گئے اور منہ رونا سا کر لیا۔ ماسٹر صاحب نے آتے ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ ہمیں افسوس بھی نہ کرنے دیا۔ لوگ افسوس کے لیے آتے' ہاتھ اٹھاتے' دعا ہوتی اور ان کے رخصت ہوتے ہی دوبارہ حسب دستور پڑھائی شروع ہو جاتی۔ ان کے ایک رشتہ دار انوار الحق افسوس کے لیے آئے تو دیکھا کہ ماسٹر جی خوب انہماک سے پڑھا رہے ہیں۔ وہ بہت حیران ہوئے' کہنے لگے :

غلام قادر آج تو چھٹی کر لیتے۔

کیوں ؟

کہ تمہاری بیٹی فوت ہوئی ہے۔

اسی کے لیے تو میں انہیں پڑھا رہا ہوں۔ اس پڑھانے کا جو ثواب ہو گا سب اس کو بخش دوں گا!

اور پھر رو پڑے۔ اور ہم سب بھی رو پڑے۔ (۸)

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کی ساری اولاد ۔ تین صاحبزادے سید حسن' سید حسین' سید محسن اور ایک صاحبزادی سیدہ شگوفہ' فراغ تحصیل کے بعد انتہائی کامیاب اجتماعی زندگی بسر کر رہی ہے۔ خود آپ نے اپنا آخری اثاثہ رہائش کا مکان اور عمر بھر کی جمع پونجی ایک عظیم ذاتی کتب خانہ بھی قوم کے نام وقف کر دیے ہیں اور زندگی کے ہر لحظہ کو کمال اطمینان کے ساتھ فروغِ علم اور اپنے وطن اور اس کے گرانقدر ثقافتی ورثے کو رونق بخشنے میں صرف کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی عظیم علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر ابتک جو انعامات بھی ملے ہیں' آپ نے ان کو بھی انہی اہداف کو آگے بڑھانے کے لیے صرف کر دیا ہے۔ آپ دس برس تک ڈاکٹر محمود افشار ٹرسٹ کے انتظامی بورڈ کے صدر رہے۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد بھی فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت ہے اور ابتک جو ایرانی اور غیر ایرانی ادیب اور دانشور اعتراف خدمات کے طور پر اس کے گرانقدر مادی اور نقد انعامات سے بہرہ ور ہو چکے ہیں' ان میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر نذیر احمد اور گورنمنٹ کالج لاہور کے ڈاکٹر ظہور الدین احمد' مصری اسکالر ڈاکٹر امین عبدالمجید بدوی' ممتاز چینی ایران شناس استاد جان فون مینگ' اور تاجکستان کی معروف علمی و ادبی شخصیت استاد کمال الدین عینی شامل ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی گذشتہ کئی برس سے "شورای گسترش زبان فارسی در خارج از کشور" اور "انجمن بین المللی استادان زبان فارسی" کی سرپرستی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں، جن کے اراکین میں متعدد علمی شخصیات کے علاوہ ایرانی کابینہ کے امور خارجہ، فرہنگ و آموزش عالی اور فرہنگ و ارشاد اسلامی کے وزراء بھی شامل ہیں، اور یہ بات پاکستانی قارئین کے لیے شاید ذرا تعجب کا باعث ہو کہ جب ان کمیٹیوں کے اجلاس ہوتے ہیں تو ان کی صدارت کا اعزاز اس درویش خدامست کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سازمان لغت نامہ دہخدا کا انتظام و انصرام اور اس کے علمی منصوبوں کی نگرانی بھی برسہا برس سے آپ کے ذمہ ہے۔

خلیج فارس کے خلیج عرب کے جانے کا مسئلہ ہو یا یونیسکو کے زیر اہتمام لکھی جانے والی مرکزی ایشیا کی تاریخ میں فارسی زبان کے مشاہیر شعراء رودکی، عنصری، فرخی، خاقانی اور نظامی کے انضمام کا موضوع، ان مسائل کے بارے میں استاد شہیدی کے رد عمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اسی طرح عالمی سطح پر فارسی زبان کے احیاء و ابقا اور ترویج کے سلسلے میں ایران کے مرکزی کردار کو تسلیم کرانے میں بھی آپ کسی قسم کی مصلحت اندیشی کو در خور اعتنا نہیں سمجھتے، چنانچہ "انجمن بین المللی استادان زبان فارسی" کا منشور جب مرتب ہو چکا، اور اب اسکے پہلے اجلاس کے انعقاد کا مسئلہ زیر غور تھا، تو کسی طرف سے اس سلسلے میں تاجیکستان کا نام تجویز کیا گیا، تو آپ کا فوری اور دو ٹوک جواب یہ تھا: "متولی زبان فارسی حی و حاضر است. این جلسہ باید در تہران باشد و اساسنامہ آنجا نوشتہ شود. جلسہ دوم را ممکن است در تاجیکستان یا افغانستان و یا ہند گذاشت۔" چنانچہ اس انجمن کا پہلا اجلاس (۵-۳ جنوری-۱۹۹۶ء) تہران ہی میں منعقد ہوا اور اس کا افتتاح اس وقت کے صدر ایران آقائے ہاشمی رفسنجانی کے ہاتھوں انجام پایا۔

ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسند اور ناپسند ضرور ہوتی ہے اور مختلف موضوعات پر وہ اپنی خاص سوچ بھی رکھتا ہے۔ فارسی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر شہیدی کا خیال ہے کہ جہاں تک شعریت کا تعلق ہے سعدی کو حافظ پر فوقیت حاصل ہے، البتہ ایک فنکار کی حیثیت سے حافظ

Marfat.com

سعدی سے کوسوں آگے ہے۔ اسی طرح وہ انوری کو خاقانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک شاعر مجبور نہیں کہ کسی ایک موقف پر اصل لایتغیّر کے طور پر ہمیشہ ثابت قدم رہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شعر کا منشاء چونکہ احساس ہے اور احساسات ہر دم متفاوت ہوتے ہیں۔ پس شاعر کے قول اور سوچ میں تضاد کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اسے دیکھ کر حیران نہیں ہونا چاہیے۔ مذہبی امور میں بھی ڈاکٹر شہیدی کا اپنا ایک خاص اسلوب فکر ہے جس کا اظہار آپ نے ۱۹۹۱ء میں حج کے موقعے پر مکہ معظمہ میں مجمع التقریب کے ایک جلسے میں یوں کیا: "تقریب سے مقصود مذاہب کے درمیان موجود اختلاف کو ختم کرنا نہیں، چونکہ یہ اختلاف نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں بھی موجود تھا، اور اس سے مسلمانوں کی وحدت کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پس تقریب سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مختلف مذاہب ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور دوسرے یہ کہ دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں ان کا موقف ایک ہو۔"

راقم الحروف کو تہران یونیورسٹی میں دوران تحصیل پانچ سال (۷۴-۱۹۶۹ء) تک ڈاکٹر سید جعفر شہیدی سے براہ راست تلمذ اور استفادے کی سعادت حاصل رہی۔ بالکل سنجیدہ ماحول کو آن کی آن میں کسی لطیفے، چٹکلے یا پرمعنی جملے اور تبصرے کے ذریعے کشتِ زعفران بنا دینے اور پھر اگلے ہی لمحے دوبارہ پوری سنجیدگی کے ساتھ زیر بحث موضوع کی طرف لوٹ آنے کی جو کیفیت آپ کی کلاسوں کا طرہ امتیاز تھی، دیگر دروس میں بہت کم دیکھنے میں آئی۔ آسٹریلیا میں میرے طویل قیام (۹۳-۱۹۸۳ء) کے دوران بھی ان سے خط و کتابت اور تبادلہ کتب کا سلسلہ جاری رہا اور واپس پاکستان آنے پر بھی انہوں نے خاکسار کو اپنی عنایات سے کبھی محروم نہیں رکھا۔ تہران یونیورسٹی میں اردو اور پاکستان شناسی کے شعبہ کے استاد اور سربراہ کی حیثیت سے میری ماموریت (۱۹۹۹-۱۹۹۳ء) کے دوران بھی گاہے بہ گاہے علمی مجالس میں، اور خاص طور پر تہران یونیورسٹی کے موقر

Marfat.com

مجلّے کتابداری کی شورای تحریریہ کے رکن کی حیثیت سے راقم کو نہ صرف استاد شہیدی بلکہ ان کے دو رفقا "اصحاب چہار شنبہ" یعنی استاد موسوی بہبہانی اور شیخ عبداللہ نورانی کیساتھ بھی ہمکاری کا شرف حاصل رہا۔ آج سے چند سال قبل جب جمہوری اسلامی ایران کی وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی کی شورای گسترش زبان وادبیات فارسی نے خاکسار راقم الحروف کی فارسی کے حوالے سے "خدمات" کے اعتراف اور "تجلیل" کے لیے انجمن آثار ومفاخر فرہنگی کے ہال میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا تو استاد سید جعفر شہیدی نے ازرہ لطف اس وقت کے پاکستانی سفیر (در ایران) جناب خالد محمود' اور ممتاز ایرانی دانشور ڈاکٹر فتح اللہ مجتبائی کے ھمراہ تقریب کی ہیئت رئیسہ میں شامل ہو کر اپنے اس ناچیز شاگرد کا سر ارادت اپنی شفقت کے بوجھ سے اور بھی جھکادیا۔

استاد شہیدی فطری طور پر چونکہ بہت کم توقع واقع ہوئے ہیں' ممکن ہے بسا اوقات ان سے مل کر ایک گونہ وارفتگی اور بے نیازی کا احساس ہو' لیکن در حقیقت ایسا ہرگز نہیں۔ استاد اور شاگرد کا باہمی ربط وضبط ہو' یا محقق و قاری کے درمیان تعلق خاطر' آپکے نزدیک اس جذبے اور احساس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ان کی موجودگی میں اساتذہ محققین اور اہل علم کی مادی فلاح وبہبود کے اقدامات کی بات چھڑی' بجا اس کے کہ آپ انسانی زندگی کے اس اہم پہلو کی اہمیت وافادیت سے انکار کریں' آپ نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا کہ کسی گوشہ گیر صاحب علم کی سادہ سی احوال پرسی' اسپتال میں صاحبِ فراش فنکار کی عیادت' کسی شاعر کی ادبی خدمات پر اس کا اظہار تشکر اور کسی اہل قلم کی خدمات کا معاشرے میں برملا اعتراف بازار علم کو رونق بخشنے کے لیے' ان لوگوں کو مادی تسہیلات فراہم کرنے سے کسی طرح کمتر اہمیت کا حامل نہیں۔ آپ اپنے گردوپیش کے ماحول سے اس عاطفی تعلق کی برقراری میں کس قدر کامیاب رہے ہیں' اس کا تازہ ترین اظہار پچاس گرانقدر مقالات کا وہ علمی مجموعہ ہے جو آج سے چار پانچ سال قبل آپ کے ارادتمندوں نے نامہ شہیدی کے نام سے آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے ڈاکٹر سید جعفر شہیدی ایسے اکابر علم کے باربار کے تذکر

Marfat.com

کا اثر سمجھ لیں یا ایرانی حکومت کی بنیادی پالیسی جس کی تشکیل میں یقیناً آپ جیسے ممتاز اہل فکر واندیشہ کا صلاح مشورہ شامل ہوتا ہے' اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایران میں اہل علم کی' ایرانی ہوں یا غیر ملکی' عزت و تکریم 'اور تجلیل و تجلیل میں کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی۔

سبزه خط تو دیدیم و زبستان بهشت
به طلب کاریِ این مهر گیاه آمده ایم

حواشی و تعلیقات

(۱) معروف ایرانی دانشور، تہران یونیورسٹی کے سابق پروفیسر و صدر شعبہ فارسی، مک گل یونیورسٹی کے موسسہ مطالعات اسلامی کے شعبہ تہران کے بانی ڈائرکٹر اور فرہنگستان زبان وادب فارسی ایران کے دائمی رکن

(۲) قائد اعظم محمد علی جناح ، موسس پاکستان، ترجمہ سید غلام رضا سعیدی، تہران، انتشارات کتابفروشی محمدی، ۱۳۳۶ شمسی

(۳) ایضاً، مقدمہ مترجم، ص ۷

(۴) ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی کی کتاب کے فارسی ترجمے کے علاوہ جو ۱۳۴۷ شمسی میں قم سے شائع ہوا، علامہ سعیدی کے اپنے منتشر مقالات اندیشه ہای اقبال لاہوری کے عنوان سے سید ہادی خسرو شاہی نے تہران سے ۱۳۶۹ شمسی میں، دفتر نشر فرہنگ اسلامی کے تعاون سے شائع کیے

(۵) اصحاب چہار شنبہ کے بارے میں مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: مہدی محقق' دومین بیست گفتار' تہران' ۱۳۶۹ ش' ۲۸۶-۳۸۵

(۶) سردار محمد چوہدری' متاع حیات' لاہور ۱۹۹۹ء' ص ۸۴-۸۳

(۷) "... دومین مراسم به مناسبت انتشار کتاب هفت گفتار در باره سنایی' عطار' و عراقی و تجلیل از مقام مؤلف آن استاد دکتر محمد سلیم اختر پاکستانی بود. این نخستین مراسمی بود که برای بزرگداشت مؤلف و محققی غیر ایرانی برگزار می شد." نخست کلام' گزارشنامه انجمن آثار و مفاخر فرهنگی' تهران ' شماره ۸' تیر ماه ۱۳۷۵ شمسی' ص ۲

(۸) شورای تحریریہ کا انتساب دانشگاہ تہران کی سفارش پر جمہوری اسلامی ایران کی وزارت فرہنگ و آموزش عالی کرتی

Marfat.com

ہے' اور اس میں شامل دیگر اراکین کے نام یہ ہیں: دکتر مظفر بختیار' دکتر جلیل تجلیل' دکتر رضا داودی' دکتر یحییٰ دوستدار' دکتر علی اکبر عنایتی' (دانشگاہ تہران)' دکتر سید محمد مہدی جعفری (دانشگاہ شیراز) اور دکتر محمد سرور مولائی' (دانشگاہ الزہرا)۔

Marfat.com

خون میچکد ز پنجهٔ آلوده ستم
زنگ خطر شنو چوزدند از سوی امم
در شامگاه عشق کند داستان رقم
دور چراغ محفل رندان برنج و غم

(ج. ا. قزلباش)

Marfat.com

اسلام و جہان اسلام

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا تصور محنت

پروفیسر مقصود جعفری *

یہ یکم مئی ۱۸۸۶ء کا خونین دن تھا جب امریکہ کے شہر شکاگو میں صنعتکاروں اور سرمایہ داروں سے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے پر مزدوروں کے سینوں پر گولیوں کی بارش کر دی گئی۔ ان کے نمائندہ رہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا مگر خون مظلومین کی عجیب تاثیر ہوتی ہے یہ زمین میں جذب ہو کر کبھی تو سرخی شفق بن جاتا ہے۔ اور کبھی سرخی گل و لالہ میں ہویدا ہو جاتا ہے۔

مزدوروں نے آخر کار اپنے جائز حقوق کو منوایا۔ اوقات کار متعین کروائے۔ بنیادی معاوضہ طے کرایا، تعطیلات کا حق حاصل کیا، سمندر میں سے چند قطرے ہی سہی مگر ہر قطرہ خون رگ مزدور کی کشت ویران حیات کو سیراب کر گیا۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا خون پھر خون ہے بہتا ہے تو جم جاتا ہے۔

اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل مزدور کے حق محنت اور عظمت کو تسلیم کیا تھا۔ قرآن مجید نے جو کتاب حکمت و دانش ہے، اعلان فرمایا تھا۔ "لیس للانسان الا ما سعی"۔ ترجمہ [انسان کے لیے اس کی محنت کا معاوضہ ہے]۔

سرمایہ اور محنت کی جنگ صدیوں سے جاری ہے۔ یورپی ممالک محنت پر سرمایہ کو فوقیت دیتے ہیں اور سرمایہ داری کی حفاظت کر کے نظام زر کو دوام بخشتے ہیں۔ اشتراکی ممالک محنت کی فوقیت کا تذکرہ کرتے ہیں اور مزدوروں کے نام پر ایک طبقہ حکمرانی اور آمریت کی بنیادیں مضبوط کرتا ہے۔ لیکن اسلام دین توازن ہے۔ سورہ رحمٰن میں ولا تخسروا المیزان کا حکم ہے۔ میزان کو درست رکھنے کی تاکید ہے۔ گویا میزان کے ایک پلڑے میں

* مدیر داخلی پیغام آشنا اسلام آباد

Marfat.com

سرمایہ کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے وہاں محنت کی عظمت اور محنت کشوں کے حقوق کی بھی سخت تلقین کی ہے۔ اسلام میں مزدوروں کی مزدوری سے مراد ان کے محنتانہ کو بشکل منافع تسلیم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک کارخانہ میں پچاس مزدور کام کرتے ہیں اور ہر مزدور دس ہزار روپیہ ماہانہ کا منافع کارخانہ کو پہنچا رہا ہے اور مالک کارخانہ اسے صرف ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ دیتا ہے اور نو ہزار روپے صرف اس لئے اپنی جیب میں ڈالتا ہے کہ اس نے سرمایہ کاری کی ہے تو یہ سراسر دین کے خلاف ہے۔ اگر سرمایہ کے بغیر پیداوار ناممکن ہے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محنت کے بغیر بھی پیداوار ناممکن ہے۔ لہٰذا سرمایہ و محنت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جدید فقہائے اسلام کی رائے میں کارخانہ دار کے اخراجات نکال کر ماہانہ منافع کو مزدوروں میں برابر تقسیم کرنا عین اسلام ہے۔ وگرنہ بقول اقبال:

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفای دِہ خدایاں کشت دھقاناں خراب

اسلام کے تصور محنت کی رو سے کوئی شخص کسی کی محنت کا استحصال نہیں کر سکتا۔ سرمایہ کار کو عمارت کا کرایہ، مشینوں کی کارکردگی کا معاوضہ، تنظیم کا معاوضہ اور دیگر اخراجات نکال کر منافع کی تقسیم ہی مدعائے اسلام ہے۔ ارشاد رسالتمآبؐ ہے الکاسب حبیب اللہ [مزدور اللہ کا دوست ہے]۔ مگر افسوس صد افسوس دنیا صدیوں سے جاگیرداری، سرمایہ داری اور ملوکیت کی زد میں ہے۔ مزدور جسے اللہ کا دوست کہا گیا وہ غربت کی چکی میں پس رہا ہے۔ وہ کام تو کرتا ہے مگر اس کا ثمر سرمایہ دار کھا جاتا ہے۔ کارخانوں میں ملک و قوم کی بیٹیاں ریشم و اطلس و کمخواب تو بنتی ہیں مگر بقول غنی کاشمیری ان کے تنِ سیمین ملبوس کو ترستے ہیں۔ ہمارے نظام زر میں محنت اور معاوضہ کے عدم توازن کو ساحر لدھیانوی نے یوں تنقید کا نشانہ بنایا تھا:

ملیں اسی لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

Marfat.com

دوپہر کی تپتی اور چلچلاتی دھوپ میں سڑک کے کنارے مزدور ننگے پاؤں اور ننگے جسم کے ساتھ پتھروں کو کوٹ کوٹ کر تار کول کی گرمی سہتا سڑک بناتا ہے مگر زرداروں کی کاریں اس کے چہرے پر دھول اڑاتی ہوئی شانِ بے نیازی سے گزر جاتی ہیں۔ موسم سرما کی برفانی راتوں میں کسان اور اس کے بوڑھے بچے کھیتوں میں اپنا خون دل بہاتے ہیں مگر ان کے شکم بھی کبھی سیر نہیں ہوتے اور جاگیردار محفل رقص و سرور اور بزمِ نشاط و عیش سجانے کے لئے مغرب کے میکدوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ یہ تقسیم دولت میں افراط و تفریط ہی ہے جو معاشرے کو برائیوں کے جہنم زار میں دھکیل دیتی ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے کہ تم نے تو یہ دیکھا ہوگا کہ لوگ کثرت دولت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں لیکن کیا تم نے لوگوں کو قلت زر کی وجہ سے گناہ کرتے نہیں دیکھا؟ گویا خرابی کا باعث کثرت زر اور قلت زر دونوں ہی ہیں۔ اگر ایک سرمایہ دار صرف دو روٹیاں کھا سکتا ہے مگر آسائشات کی وجہ سے وہ چھ روٹیاں لیتا ہے تو وہ مریض ہو جائے گا اور دوسری طرف اگر ایک مزدور دو روٹیاں کھانے کی حاجت رکھتا ہے مگر اسے صرف آدھی روٹی میسر آتی ہے تو وہ بھی بھوک اور کم خوراکی کی وجہ سے بیماری اور نقاہت کا شکار ہو جائے گا۔ فطری طور پر یہی بہتر ہے کہ سرمایہ دار بھی اپنی استطاعت کے مطابق دو روٹیاں کھائے اور محنت کش بھی دو روٹیاں کھائے تاکہ دونوں بیماری سے بھی بچیں اور صحتمند رہیں۔ اسی طرح وہ معاشرہ جہاں سماجی اور معاشی انصاف نہ ہو وہاں کے لوگ معاشرتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں لہٰذا سرمایہ دارانہ معاشرے دراصل بیمار معاشرے ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ اور خمس کے ساتھ ساتھ صدقات کا حکم دیا تاکہ دولت گردش میں رہے اور اس کا ایک جگہ ارتکاز نہ ہو۔ خون جب تک رگوں میں گردش کرتا ہے تنفس دل جاری اور زندگی کا سلسلہ رواں رہتا ہے۔ دریا جب تک بہتا رہتا ہے اس کا پانی صاف و شفاف اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ بلکہ بہتا پانی تو گندگی کو بھی ساتھ بہا کر ندی نالوں کو صاف کر دیتا ہے جبکہ ٹھہرا ہوا تالاب کیڑوں مکوڑوں، جراثیموں، غلاظت اور تعفن کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس معاشرے میں گردش زر ہوگی وہ افراط یا تفریط زر کا شکار نہیں ہوگا۔ اسلام نے تو یہاں تک حکم دیا ہے کہ۔ یسئلونک ماذا

Marfat.com

ینفقون ۔ قل العفو۔ [اے رسولؐ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ ان سے کہہ دو کہ ضرورت سے زائد خرچ کردو] گویا قدر فاضل کو جمع کرنا سرمایہ داری ہے اور سرمایہ داری ایک معاشرتی بیماری ہے۔ اس نظام زر میں شرف انسان مجروح ہو جاتا ہے۔ کشمیر کے ایک فارسی شاعر شائق نے کیا خوب کہا ہے:

میانِ اہلِ دنیا مردِ مفلس خوار میگردد
الف چون درمیان زر در آید زار میگردد

یعنی دنیاداروں میں غریب انسان ایسے ذلیل و خوار ہو جاتا ہے جیسے الف کا حرف زر کے درمیان آجائے تو وہ زار بن جاتا ہے۔ نظام زر نے دنیا کو جہانِ زار بنا دیا ہے۔

آیئے ہم یہ عہد کریں کہ مغرب و مشرق کے افراطی و تفریطی نظاموں کے مقابلہ میں قرآنی نظام اقتصادیات قائم کر کے انسان کو محرومیوں اور مجبوریوں سے نجات دلائیں گے۔ ہر شخص کی بنیادی ضرورت 'روٹی کپڑا' مکان' تعلیم' صحت اور روزگار فراہم کرنا اسلامی ریاست کا شرعی فرض ہے اور علامہ ابن حزم کے مطابق جو ریاست مسلمانوں کی بنیادی ضروریات فراہم نہیں کرتی وہ اسلامی ریاست نہیں ہے۔ اسلام مظلوموں اور مزدوروں کو تقویت دے کر ظالموں کا خاتمہ کرتا ہے۔ اسی لئے سود کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا گیا ہے اور سودی کاروبار کو خدا کے خلاف کھلی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ قبل اسلام یہودی لوگوں کو سود پر رقم دیتے تھے اور شرح سود اتنی زیادہ رکھتے تھے کہ مقروض قرضہ کے بار تلے دب کر تباہ و برباد ہو جاتا تھا۔ اسلام نے اس استحصال کے خاتمہ کا اعلان کیا اور نظام انفاق و عدل کی تاکید کی۔ و مما رزقنھم ینفقون [ترجمہ: اور جو کچھ ہم ان کو رزق دیتے وہ اس میں سے انفاق کرتے ہیں]۔ قرآن مجید کا واضح اعلان ہے۔ نفق کے عربی میں معنی سرنگ کے ہیں یعنی پہاڑ میں وہ راستہ یا سوراخ جس کے ایک طرف پانی آئے اور دوسری طرف سے آگے بہتا جائے۔ گویا قرآن مجید ارتکاز دولت کے خلاف ہے۔ دولت کا معاشرے میں گردش کرتے رہنا ایسے ہی ہے جیسی خون رگوں میں گردش کرے تو زندگی، اور اگر جم جائے تو موت۔ چنانچہ ہر وہ معاشرہ جہاں دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو وہ گندے جوہڑ کے مانند ہے۔ لہذا نظام محنت

Marfat.com

"سے مراد نظام قرآن ہے۔ سودی نظام کا خاتمہ ہی نظام قرآن کا قیام ہے۔ ہر وہ دولت جو ضرورت سے زائد ہو وہ نظام زر کو جنم دیتی ہے۔ اور ہر وہ دولت جو قدر معیار بازار سے زیادہ وصول کی جائے وہ سود ہے۔ اگر ہم محنت کا زیادہ معاوضہ وصول کرتے ہیں، کسی چیز کا زیادہ کرایہ وصول کرتے ہیں، کسی شے کی زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں، تو یہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے، جو حرام ہے۔ دنیا بھر کے دانشوروں اور ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مساوات انسانی اور نظام عدل کے قیام کے لئے انسانی محنت کا احترام کریں، نیز اپنی تحریروں سے شرف انسانی کی بقا کی خاطر اس نظام کے قیام کی راہ ہموار کریں۔

❖❖❖

Marfat.com

سید جمال الدین اسد آبادی

کا مسلمانان عالم کی بیداری میں کردار

ڈاکٹر مہر نور محمد خان*

سید جمال الدین ماہ شعبان ۱۲۵۴ھ.ق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد کا نام سید صفدر تھا۔ اگرچہ ان کے حالات زندگی کے بارے میں کئی کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں لیکن کسی میں بھی ان کی جائے پیدائش اور ابتدائی زندگی کے بارے میں مکمل اطلاعات نہیں ملتیں۔ ان کی اصل جائے پیدائش کے بارے میں بھی مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ افغانی اور عربی مورخ انہیں افغانی کہتے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب افغانی سادات کے جد امجد سید علی ترمذی سے ملاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ایرانیوں کا خیال یہ ہے کہ وہ ایران کے مشہور شہر ہمدان کے قریب واقع قصبہ اسد آباد میں پیدا ہوئے۔

عربی روایات کے مطابق سید جمال الدین افغانستان میں جلال آباد کے نزدیک واقع گاؤں کونڑ میں پیدا ہوئے۔ سید صاحب کا خاندان وہاں پر بہت ساری جائیداد اور زمین کا مالک تھا۔ امیر دوست محمد خان نے سید جمال الدین کے باپ اور چچاؤں کو کابل بلایا اور ان کی جائیداد اور زمین کو ضبط کر لیا۔ اس وقت سید کی عمر آٹھ برس تھی، لیکن سید صاحب کے بھانجے مرزا لطف اللہ خان اسد آبادی اپنی کتاب "شرح حال و آثار سید جمال الدین اسد آبادی معروف بہ افغانی" میں ان کے حسب نسب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سید جمال الدین کے جد امجد ۶۷۳ھ.ق سے اسد آباد میں سکونت پذیر تھے۔ سید صاحب کے بزرگوں کی قبروں پر لگی ہوئی تختیوں سے نسل ہا نسل تک ان کے آباء و اجداد کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو علم و دانش میں بڑی شہرت حاصل تھی حتیٰ کہ اس زمانے کے بڑے بڑے حاکم اور امراء بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔ سید جمال الدین کا شجرہ نسب یہ تھا۔

* صدر شعبہ فارسی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Marfat.com

سید جمال الدین بن سید صفدر بن سید علی میر بن رضی الدین محمد الحسینی شیخ الاسلام بن میر زین الدین الحسینی القاضی بن میر ظہیر الدین محمد الحسینی شیخ الاسلام بن میر اصیل الدین محمد الحسینی شیخ الاسلام۔

ان کی والدہ ماجدہ کا نام سکینہ بیگم دختر میر شرف الدین الحسینی القاضی تھا۔ موخر الذکر میر رضی الدین کے بھائی تھے اور دونوں میر اصیل الدین کے بیٹے تھے۔

اس صورت حال کے تحت اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر سید جمال الدین اپنے آپ کو افغانی کیوں کہلاتے تھے۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سید صاحب کا خاندان کسی زمانے میں افغانستان سے ہجرت کر کے ہمدان کے قصبہ اسد آباد میں آبسا ہو، یا پھر سید، حکومت ایران، کے دست ظلم و استبداد سے بچنے کے لیے 'جو اس وقت کے انقلابی لوگوں کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی' افغانی کہلاتے ہوں۔ بعض روایتوں کے مطابق افغانی ان کا تخلص تھا۔ البتہ سید جمال الدین اپنے افکار و خیالات کے لحاظ سے اپنے آپ کو کسی خاص جگہ یا گروہ سے نہیں سمجھتے تھے۔

سید صاحب کے بچپن اور ابتدائی زندگی کے بارے میں بھی زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔ مرزا لطف اللہ اسد آبادی کی روایت کے مطابق سید جمال الدین ۱۲۵۹ھ.ق سے ۱۲۶۴ھ.ق تک گھر ہی میں اپنے والد گرامی سے پڑھتے رہے۔ چند ماہ میں قرآن مجید پڑھ لیا اور عربی پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ والد نے جب بچے کی لیاقت و قابلیت دیکھی تو ۱۲۶۴ھ.ق میں انہیں قزوین لے آئے۔ اس وقت سید کی عمر پانچ برس تھی۔ قزوین میں دو سال کے عرصۂ قیام میں بھی سید کے معلم والد ماجد ہی رہے۔ اسی اثناء میں قزوین میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور لوگ شہر کو چھوڑ کر ادھر ادھر جانے لگے۔ لہٰذا سید صفدر بھی ۱۲۶۶ھ.ق میں جمال الدین کو ساتھ لے کر تہران چلے گئے۔ تہران میں انہوں نے محلہ سنگلج میں اسد آباد کے حاکم سلیمان خان کے گھر پر قیام کیا۔ کچھ عرصہ تہران میں قیام کرنے کے بعد سید صفدر اپنے بیٹے کے ہمراہ مقامات مقدسہ کی زیارات کے لئے بروجرد کے راستے عراق روانہ ہوئے۔ آئمہ کے روضہ ہائے مبارک کی زیارات کے بعد نجف میں شیخ مرتضی انصاری کی خدمت میں

Marfat.com

پہنچے۔ سید صفدر دو تین ماہ کے قیام کے بعد سید جمال الدین کو شیخ مرتضیٰ انصازی کے پاس چھوڑ کر واپس اسد آباد آ گئے۔ سید صاحب چار سال تک شیخ مرتضیٰ کے پاس مشغول تعلیم رہے اس عرصہ میں ان کے تمام اخراجات شیخ مرتضیٰ ہی برداشت کرتے رہے۔ اس قیام کے عرصہ میں عراق کے تمام علمی حلقوں میں سید صاحب کی ذہانت اوز استعداد کا چرچا ہونے لگا جو نجف، کربلا اور سامراء کے بعض علماء کے حسد کا باعث ہوا، حتیٰ کہ انہوں نے سید کو قتل کروانے کی سازش کی۔ جب شیخ مرتضیٰ اس سازش سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے سید صاحب کو ہندوستان بھیج دیا۔

اس سفر میں سید جمال الدین ایران کے جنوبی ساحلی شہر بوشہر سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے جہاں انہوں نے ایک سال اور چند مہینے قیام کیا۔ چند ماہ حاجی عبدالکریم کے مہمان رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کا رخ کیا اور راستے میں مختلف جگہوں پر ٹھہرتے ہوئے تقریباً ۱۲۷۴ھ.ق میں مکہ معظمہ پہنچے، وہاں سے نجف اور کربلا آئے اور وہاں سے اسد آباد کے راستے افغانستان روانہ ہوئے۔ ۱۲۷۷ھ.ق میں اسد آباد میں تین روز قیام کرنے کے بعد تہران آئے جہاں پانچ چھ ماہ قیام کرنے کے بعد آپ مشہد گئے اور وہاں پر حضرت امام علی رضا کے روضے کی زیارت سے مشرف ہو کر کابل کی طرف روانہ ہوئے جہاں وہ امیر دوست محمد خان کی خدمت میں پہنچے۔ افغانی مورخوں کی روایت کے مطابق جب سید جمال الدین کے والد سید صفدر کو امیر دوست محمد خان کے حکم سے ان کے آبائی گاؤں کنڑ سے کابل لایا گیا تو اس وقت سید کی عمر آٹھ برس تھی۔ سید صفدر اور ان کے اہل وعیال ۱۲۷۱ھ.ق تک کابل میں رہے۔ اس عرصہ میں سید صاحب نے مختلف علوم اسلامی، فلسفہ' ریاضی' تاریخ' تفسیر وحدیث وفقہ و اصول وکلام وغیرہ حاصل کرنا شروع کئے۔ جب آپ اٹھارہ برس کے ہوئے تو وہاں سے فارغ ہو کر تکمیل علوم کے لئے ہندوستان چلے گئے۔ انہوں نے ہندوستان میں ایک سال اور چند ماہ قیام کیا اور پھر حج بیت اللہ کے لئے حجاز روانہ ہو گئے۔ تقریباً ایک سال تک عرب ممالک میں سیاحت کے بعد ۱۲۷۳ھ.ق میں حج ادا کیا اور ۱۲۷۵ھ.ق میں واپس افغانستان لوٹ آئے۔

سید صاحب کو افغانستان میں بڑا مقام حاصل ہوا۔ امیر دوست محمد خان نے انہیں

Marfat.com

اپنے درباریوں میں شامل کر لیا اور اپنے بیٹے محمد اعظم خان کا اتالیق مقرر کیا۔ ۱۲۷۹ھ.ق میں امیر دوست محمد خان کا انتقال ہو گیا اور دوست محمد خان کی وصیت کے مطابق اس کا چھوٹا لڑکا امیر شیر علی تخت نشین ہوا تو سلطنت کے مختلف دعویداروں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جس میں محمد اعظم خان نے اپنے بھتیجے عبدالرحمان خان کی مدد سے میر شیر علی کو ہرات کی طرف دھکیل دیا۔

محمد اعظم کے دور اقتدار میں بھی سید کا وہی مقام رہا اور امیر تمام اہم کاموں میں سید سے صلاح و مشورہ کرتا رہا۔ جب شیر علی نے انگریزوں کی مدد سے دوبارہ کابل کو فتح کر لیا تو سید جمال الدین کابل ہی میں موجود تھے۔ لیکن شیر علی نے ان کی شخصیت و قابلیت کے باعث انہیں کچھ نہ کہا۔ مگر واقعات نے جو صورت اختیار کر لی تھی ان کے پیش نظر سید صاحب نے افغانستان میں مزید رہنا پسند نہ کیا لہٰذا سفر حج کی اجازت مانگی امیر شیر علی نے ان کی درخواست اس شرط پر منظور کر لی کہ وہ ایران سے نہیں گزریں گے تاکہ وہاں محمد اعظم سے ان کی ملاقات نہ ہو۔

چنانچہ سید جمال الدین ۱۲۸۵ھ.ق کے آخر میں ہندوستان کے راستے حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ہندوستان میں لوگوں نے سید صاحب کی خوب آؤبھگت کی لیکن انہیں زیادہ دیر تک وہاں رہنے کی اجازت نہ ملی حتیٰ کہ ہندوستانی علماء اور دانشور بھی سرکاری نگرانی میں ان سے ملتے لہٰذا سید صاحب ایک ماہ ہندوستان میں گزار کر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے لیکن مکہ کی بجائے مصر چلے گئے۔ وہاں سید جمال الدین نے صرف چالیس روز قیام کیا لیکن اس مختصر عرصہ ہی میں انہوں نے اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کے دل جیت لیے۔ ان کی تقریروں کا بیشتر حصہ انگریزی سامراج کے خلاف ہوتا تھا۔ یہ باتیں انگریزوں کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت کے باعث آپ مصر سے استنبول روانہ ہو گئے۔

استنبول پہنچنے پر سید جمال الدین کا بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ ترکی کے وزیر اعظم امین عالی پاشا اور مشہور سیاستدان فواد پاشا کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ سید کے علم و فضل نے ترکی کے امراء و وزراء کو اپنا فریفتہ کر لیا اور ان کی شہرت ہر طرف پھیلنے لگی۔ انہیں

Marfat.com

استنبول میں آئے ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ مجلس معارف کے رکن بنا دیئے گئے۔ اس کے علاوہ جامعہ مسجد سلطان احمد اور مسجد ایا صوفیہ میں انہوں نے دینی سماجی مسائل پر وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی یہ مقبولیت وہاں کے قدامت پسند علماء کی مخالفت کا باعث بنی، جو دیکھ رہے تھے کہ اگر سید جمال الدین کا اثر رسوخ اسی طرح بڑھتا گیا تو ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کے سربراہ شیخ الاسلام حسن فہمی آفندی نے سید صاحب کی ایک تقریر کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا۔ ہوا یوں کہ رمضان ۱۲۸۷ھ میں سید جمال الدین نے دار الفنون میں "صناعات اور حرف" کے موضوع پر تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ آدمی کا جسم روح سے زندہ رہتا ہے اور معاشرے کے جسم کی روح نبوت ہے یا حکمت اور ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبوت تو ایک عطیہ ء آسمانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا کرتا ہے، لیکن حکمت کو غور و فکر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس پر شیخ الاسلام نے یہ مشہور کر دیا کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ نبوت بھی ایک صنعت اور حرفہ یعنی انسان ہی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی شے ہے۔ اس بات پر اتنا طوفان اٹھا کہ سلطان عبدالعزیز نے سید جمال الدین کو کچھ عرصہ استنبول سے باہر جانے کا مشورہ دیا اور سید صاحب استنبول سے نکل کر ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ.ق کی آخری تاریخ کو پھر مصر پہنچ گئے۔

استنبول میں قیام کے دوران سید جمال الدین کی شخصیت بین الاقوامی شہرت حاصل کر گئی۔ اس لیے مصر میں ان کا اور بھی زیادہ گرمجوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔ اس وقت مصر میں خدیو اسماعیل کی حکومت تھی جس کی فضول خرچیوں نے ملک کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا تھا اور مصر ساڑھے نو کروڑ کا مقروض ہو چکا تھا انگریز اور فرانسیسی مختلف طریقوں سے ملک پر قبضہ جما رہے تھے۔ مصر میں آنے کے چند ہی روز بعد سید صاحب کی ملاقات وزیر مصر ریاض پاشا سے ہوئی۔ ریاض پاشا پہلی ہی ملاقات میں سید کا ایسا گرویدہ ہوا کہ اس نے سید صاحب سے مصر ہی میں مستقل قیام کرنے کی درخواست کی اور حکومت مصر سے ایک ہزار غرش ماہوار وظیفہ بھی مقرر کروا دیا۔ دوسری طرف مصری طلباء نے بھی یہ خواہش کی کہ سید جمال الدین مصر ہی میں مستقل قیام کر کے ان کی تربیت کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ سید

Marfat.com

صاحب نے اس مقصد کے لیے پہلے جامعہ ازہر کو منتخب کیا' جہاں شاگردوں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ سید صاحب اپنے دائرہ درس میں ملک و ملت کی بہتری کے لئے تمام باتیں بلا جھجک کہتے اور اس طرح مصریوں کو ایک نئی زندگی کی راہ دکھاتے۔ ان کے اس ازلی حلقہ نے بعد میں ایک بہت بڑی سیاسی تحریک کو جنم دیا' جس کی بدولت مفتی محمد عبدہ اور ادیب اسحاق جیسے عالم اور صاحب قلم پیدا ہوئے جو مادر وطن کی آزادی کا پرچم ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے۔

مصر میں رہ کر سید جمال الدین نے کئی قسم کی انجمنیں اور جماعتیں قائم کیں، جن کے مقاصد اکثر سیاسی تھے۔ ان میں سے سب سے مشہور انجمن کا نام "محفل وطنی" تھا۔ برطانوی سیاستدان اس انجمن کی کامیابی اور اثر و رسوخ سے بہت گھبرائے۔ چنانچہ مصر میں مالی امور کے مشیر لارڈ کرومر نے اپنی ایک رپورٹ میں حکومت برطانیہ کو لکھا کہ اگر یہ انجمن مصر میں اسی طرح ایک اور سال قائم رہی اور جمال الدین بھی مصر میں مقیم رہے تو نہ صرف انگلستان کی تجارت اور سیاست کو بہت نقصان پہنچے گا بلکہ ممکن ہے کہ اہل یورپ کی حکومت ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ سید جمال الدین نے مصر میں رہ کر انجمنوں کے قیام کے علاوہ سب سے بڑا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے ملک میں معیاری اخبار نویسی کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت مصر میں صرف اسکندریہ سے دو معمولی قسم کے اخبار نکلتے تھے۔ اور ان میں حالات حاضرہ پر تنقید یا تبصرہ نام کو بھی نہ ہوتا تھا۔ لہذا سید صاحب نے چند معیاری اخبار "مصر محروسہ' اور مرآۃ الشرق" جاری کرائے۔ ان میں خود بھی اہم سیاسی مضامین لکھے اور شاگردوں کو بھی لکھنے کے لئے کہا۔ اس طرح عوام میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔ چونکہ ان مضامین میں انگریزی سیاست اور حکمت عملی پر تنقید کی جاتی تھی، اس لیے انگریزی نمائندے نے توفیق پاشا کو جو تازہ ہی خدیو بنے تھے، آمادہ کیا کہ سید جمال الدین کو مصر سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ ایک رات دو بجے ایک فوجی دستے نے ان کی قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا، انہیں جگایا اور لباس خواب ہی میں پکڑ کر ریلوے اسٹیشن لے گئے۔ جہاں سے خصوصی گاڑی میں بٹھا کر انہیں سویز بھیج دیا گیا۔ پولیس نے سید جمال الدین کی ایک ہزار کتابیں بھی ضبط کر لیں اور اس طرح وہ بے سر و سامانی کے عالم میں ۱۲۹۶ھ ق میں مصر سے رخصت ہوئے۔ ایرانی سفیر نے سویز

Marfat.com

جا کر سید صاحب کی خدمت میں تین ہزار پونڈ کی رقم پیش کرنا چاہی تو آپ نے یہ کہہ کر کہ "شیر جہاں بھی جاتا ہے اپنے لیے خود غذا پیدا کر لیتا ہے" رقم لینے سے انکار کر دیا۔ مصر میں سید کا قیام دس برس کے قریب رہا۔

مصر سے چل کر سید جمال الدین پھر ہندوستان آئے۔ پہلے بمبئی پہنچے پھر حیدر آباد چلے گئے۔ ان کی حیدر آباد میں زیادہ تر سرگرمیاں تعلیمی اور اصلاحی نوعیت کی تھیں۔ انہوں نے مختلف رسالوں میں مقالات لکھے۔ ان میں سے ایک مقالہ حیدر آباد میں اردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز پر تھا۔ سید نے دہریوں کے خلاف "رسالہ رد نیچریہ" کے نام سے فارسی میں لکھا جو بمبئی سے شائع ہوا۔ انہی دنوں مصر میں اعرابی پاشا کی سرکردگی میں انگریزوں کے خلاف شورش اٹھی جس کو دبانے کے لئے انگریزوں نے مصر پر لشکر کشی کر دی۔ چنانچہ اس ڈر سے کہ کہیں سید جمال الدین ہندوستان میں بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت نہ کرا دیں انہیں سرکاری حراست میں کلکتہ پہنچا دیا گیا اور جب تک مصر کی تحریک ختم نہ ہوئی سید صاحب کلکتہ ہی میں نظر بند رہے۔

رہائی کے بعد سید جمال الدین بحیرہ احمر کے راستے عازم یورپ ہوئے۔ راستے میں پورٹ سعید پہنچ کر انہوں نے ریاض پاشا اور مصر کے بعض دیگر رجال کے نام خطوط لکھے جن میں انہوں نے مصر سے نکالے جانے کے بارے میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اپنے ضبط شدہ مال و اسباب کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اسی طرح اپنے شاگرد شیخ محمد عبدہ کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ آپ لندن جا رہے ہیں۔ محمد عبدہ ان دنوں مصر کے وطن پرستوں کی تحریک میں شمولیت کے باعث جلاوطنی کے عالم میں شام میں رہ رہے تھے۔ سید وہاں سے روانہ ہو کر رجب ۱۳۰۰ ہجری قمری میں لندن پہنچے جہاں چند روز قیام کر کے وہ پیرس چلے گئے۔ پیرس میں سید صاحب کے قیام کو چند ماہ گزرے تھے کہ ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد ان کے دیگر ساتھی سعد زاغلول اور مرزا ابا قر ایرانی بھی ان سے آ ملے۔ سید جمال الدین نے مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انہیں غلامی کی ذلت و خواری سے

Marfat.com

نجات دلانے کی غرض سے عروۃ الوثقیٰ کے نام سے ایک انجمن قائم کی اور اسی نام سے ایک ہفتہ وار اخبار بھی جاری کیا جو اسلامی ممالک میں مفت تقسیم ہوتا تھا۔ عروۃ الوثقیٰ کا پہلا شمارہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۰۱ ہجری قمری کو شائع ہوا۔

عروۃ الوثقیٰ کے صرف اٹھارہ شمارے نکل سکے۔ بعد میں یہ اخبار مختلف طریقوں سے بند کرا دیا گیا۔ مگر ان اٹھارہ شماروں نے اسلامی دنیا میں ایک ہلچل مچا دی اور اسکے مقالات یورپ کے اکثر اخباروں میں ترجمہ ہو کر شائع ہونے لگے۔ ان مقالات میں تمام دنیائے اسلام کے حالات پر تبصرہ کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کو بتایا جاتا تھا کہ وہ یورپی سامراج سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ عروۃ الوثقیٰ کے مضامین کا ہندوستان میں اتنا اثر ہوا کہ لوگوں کو اس کے پڑھنے سے روکنے کے لئے انگریز کئی قسم کے سخت قانون نافذ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ جس کے پاس عروۃ الوثقیٰ کا پرچہ پایا جاتا اسے سو پونڈ جرمانہ اور دو سال قید سزا دی جاتی تھی۔

عروۃ الوثقیٰ کے بند ہونے کے بعد سید جمال الدین چند ماہ تک پیرس ہی میں رہے۔ جب گلیڈسٹون نے استعفیٰ دیا اور ان کی جگہ راندلف چرچل ہندوستانی امور کے وزیر ہو گئے تو اس موقع پر ولفریڈ بلنٹ نے سید صاحب کو لندن آنے کی دعوت دی تاکہ اسلامی ملکوں اور برطانیہ کے درمیان اتحاد کے بارے میں مسٹر چرچل کے ساتھ بات چیت کی جا سکے۔ لہٰذا سید جمال الدین ۱۰ شوال، ۱۳۰۲ھ.ق کو لندن پہنچے جہاں انہوں نے تین ماہ تک مسٹر بلنٹ کے ہاں قیام کیا۔ اس عرصے میں انہوں نے مسٹر چرچل، وزیر اعظم انگلستان لارڈ سالسبری اور دوسرے بڑے انگریز سیاست دانوں سے مذاکرات کئے اور بالآخر ۱۳۰۳ھ.ق کے اوائل میں دوبارہ پیرس لوٹ آئے اور جمادی الاول تک وہیں رہے۔

سید جمال الدین کو پیرس اور لندن میں قیام کے دوران سیاسی لحاظ سے غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ سید کو وہاں کے آزاد ماحول میں مشہور اخباروں اور جریدوں میں اتحاد اسلامی کا پرچار کرنے کا مناسب موقع ملا۔ انہوں نے انجمن عروۃ الوثقیٰ کے قیام، اخباروں میں مضامین کی اشاعت کے علاوہ پیرس اور لندن کے دانشوروں اور سیاستدانوں کے ساتھ بحث و مذاکرات کر کے یورپ کی مختلف سیاسی حلقوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

Marfat.com

سید جمال الدین ۱۳۰۳ھ.ق میں نجد روانہ ہوئے تاکہ مکہ میں خلافت اسلامی قائم کر کے امیر یمن کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا جاسکے۔وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہیں ناصر الدین شاہ قاچار کی طرف سے ایران آنے کی دعوت ملی۔لہذا سید صاحب عربستان کے راستے ۱۶/ر شعبان ۱۳۰۳ہجری قمری کو بوشہر پہنچ گئے۔بوشہر میں تین ماہ قیام کرنے کے بعد ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ.ق کو تہران جانے کے لئے اصفہان روانہ ہوئے۔اصفہان میں شاہزادہ مسعود مرزا ظل السلطان نے انکا بہت گرمجوشی سے استقبال کیا۔اصفہان میں دس روز ٹھہرنے کے بعد انہوں نے تہران کا رخ کیااور ۲۲ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ.ق کو بڑے احترام کے ساتھ تہران میں داخل ہوئے۔انہوں نے اپنے دوست الحاج محمد حسین امین الضرب کے ہاں قیام کیا۔سید جمال الدین تہران میں چار ماہ ٹھہرے۔اس قیام کے دوران سید صاحب کی ناصر الدین شاہ سے بھی ملاقات ہوئی۔جس میں شاہ نے سید جمال الدین سے ملک وملت کی بہتری کے لئے تجاویز پیش کرنے کے لئے کہا۔اس اثنا میں بعض خیانت کار وزیروں اور رجعت پسند عالموں نے حسد کی بنا پر سید صاحب کے خلاف شاہ کے کان بھرنا شروع کر دئے۔انہوں نے شاہ سے کہا کہ اگر سید چند روز اور تہران میں رہ گئے تو تمہیں تاج و تخت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔چنانچہ ناصر الدین نے سید جمال الدین کو لکھوا بھیجا کہ آپ کی ملاقات سے ہمارا مقصد حاصل ہو گیا ہے اب اگر آپ یورپ چلے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

سید جمال الدین ۹ شعبان ۱۳۰۴ھ.ق کو تہران سے روس کی جانب روانہ ہوئے۔وہ پہلے ماسکو میں کچھ عرصہ رکے اور کوشش کرتے رہے کہ افغانستان اور روس کے درمیان مفاہمت کروادیں۔سیدؒ نے ماسکو میں اخبار مسکوی کے ایڈیٹر کاتکوف کے ساتھ ملاقات کی۔ماسکو میں چند ہفتے قیام کے بعد ۱۱/ر ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ.ق کو وہ لینن گراڈ چلے گئے جہاں وہ تقریباً دو سال مقیم رہے۔اس عرصہ میں سید جمال الدین روس کے امراء اور رجال کے ساتھ ملتے جلتے رہے۔حتی کہ انہوں نے زار روس سے بھی ملاقات کرنیکی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔۱۳۰۶قمری ہجری کو ان کی ناصر الدین شاہ قاچار اور ایرانی وزیر اعظم مرزا اصغر علی خان امین السلطان سے ملاقات ہوئی۔ناصر الدین نے سید صاحب کو ایران آنے

Marfat.com

کی دعوت دی۔ سید نے انکار کیا اور کہا کہ اس بار بھی میرے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو پہلے ہوا تھا۔ بالآخر شاہ کے برابر اصرار پر مان گئے۔ چونکہ وزیر اعظم امین السلطان کے بارے میں بعض وجوہات کی بنا پر زدسی حکومت کے ذہن میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں اس لئے امین السلطان نے سید صاحب سے درخواست کی کہ وہ ایران آنے سے پہلے روس جائیں اور اس کے بارے میں روسیوں کے شبہات دور کرنے کی کوشش کریں۔ لہذا آپ امین السلطان کی خواہش کے مطابق دوبارہ لینن گراڈ گئے وہاں پر انہوں نے روسی وزرا اور حکام سے ملاقاتیں کیں اور دو ماہ کے عرصہ کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ایران واپس آئے۔

سید جمال الدین ۱۳۰۷ھ .ق میں تہران پہنچے۔ انہوں نے آتے ہی ناصر الدین شاہ کو ایک خط کے ذریعے اپنے آنے کی اطلاع دی۔ شاہ نے انہیں کہا کہ وزیر اعظم مرزا علی اصغر کے ہاں ان کے قیام کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ سید نے اس کے ہاں ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور اپنے پرانے دوست الحاج محمد حسین امین الضرب کے پاس قیام پذیر ہو گئے اور تعلیمات و مواعظ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ سید کی شعلہ نوائی سے لوگوں کے دلوں میں بیداری اور آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ شاہ اور وزراء کے ظلم اور خیانت کا قصہ زبان زد عام ہو گیا۔ لوگ انہیں ملت فروش اور ملکی مفاد کا دشمن قرار دینے لگے۔

درباریوں نے جب یہ دیکھا کہ اگر سید صاحب ایک ماہ اور تہران میں رہ گئے تو ملک میں شورش اٹھ کھڑی ہوگی، تو انہوں نے شاہ کے پاس سید کی بدگوئی شروع کر دی۔ بالآخر شاہ بھی وعدہ شکنی کی پروا کیے بغیر درباریوں کا ہمنوا ہو گیا۔ جب سید جمال الدین نے محسوس کیا کہ ان کے لئے امین الضرب کے گھر مزید ٹھہرنے میں مصلحت نہیں تو جا کر حضرت شاہ عبدالعظیم کی درگاہ میں پناہ لے لی اور تقریباً سات ماہ تک وہیں ٹھہرے رہے۔ درگاہ شاہ عبدالعظیم میں بھی سید صاحب نے وعظ و تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے درس میں طلباء کی تعداد بڑھنے لگی اور اہل تہران ہزاروں کی تعداد میں درگاہ پر آنے لگے۔ وزیر اعظم کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ بالآخر ۱۳۰۸ھ .ق میں ایک روز سید کو بیماری کی حالت میں زبردستی درگاہ سے نکال کر، گدھے پر سوار کر کے، پچاس سواروں کی

Marfat.com

حفاظت میں سرحد پار عراق کے شہر خانقین پہنچا دیا گیا۔ ایران میں یہ پرانی رسم تھی کہ کوئی کسی امام یا بزرگ کی درگاہ میں پناہ لے لیتا تو اسے کچھ نہیں کہتے تھے لیکن ایرانی شاہی حکومت نے اس دیرینہ روایت کی بھی پروا نہ کی۔

انہی دنوں ناصر الدین شاہ نے ایک یورپین کمپنی کو تمام ایران میں تمباکو کی کاشت کا ٹھیکہ دے دیا تھا۔ سید نے جب ایران کی آزادی کو اس طرح نیلام ہوتے ہوئے دیکھا تو آیت اللہ مرزا حسن شیرازی کو خط لکھا۔ جس کے نتیجے میں حسن شیرازی نے تمباکو کی اجارہ داری کے خلاف فتویٰ دے دیا، جس کے باعث ایران میں ہر طرف بغاوت شروع ہو گئی اور بالآخر ناصر الدین شاہ کو مجبور ہو کر یہ ٹھیکہ منسوخ کرنا پڑا۔ جب حکومت ایران نے دیکھا کہ سید جمال الدین بصرہ میں بیٹھ کر شاہ کے خلاف خط و کتابت کر رہے ہیں تو اس نے حکومت ترکی سے درخواست کی کہ سید کو بصرہ اور ایران کی سرحدوں سے دور جلاوطن کر دیا جائے پیشتر اس کے کہ ترک حکومت اس سلسلے میں کوئی اقدام کرتی سید صاحب لندن روانہ ہو گئے۔

سید جمال الدین نے لندن پہنچ کر لندن میں ایران کے سابق سفیر مرزا ملکم خان کے ہاں قیام کیا اور ان کے اخبار "قانون" میں حکومت ایران کے خلاف مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر جب ۱۳۰۹ھ.ق میں اپنا اخبار ضیاء الخافقین نکالا، جو انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ سید نے اس اخبار کے ایک مضمون میں ایرانی شیعہ علماء سے درخواست کی کہ ناصر الدین شاہ کو سلطنت ایران سے برطرف کر دیا جائے۔ اپنے سخت لہجے کی وجہ سے ضیاء الخافقین زیادہ دیر شائع نہ ہو سکا اور بالآخر حکومت ایران کی درخواست پر حکومت برطانیہ نے اسے بند کر دیا۔ سید صاحب ڈیڑھ سال تک لندن میں رہے اور اس عرصے میں انہوں نے استبداد اور مطلق العنانیت کے خلاف اپنی جدوجہد میں فرق نہ آنے دیا۔

جب سید جمال الدین لندن میں ناصر الدین شاہ کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے تو سلطان عبدالحمید نے ان کو ترکی آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۱۳۱۰ھ.ق میں آپ لندن سے استنبول کی طرف روانہ ہوئے۔

Marfat.com

وہاں بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا گیا۔ سلطان عبدالحمید نے پچھتر لیرہ ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور یلدیز محل کے قریب ایک خوبصورت مکان میں ان کے قیام کا بندوبست کیا۔

سید جمال الدین کو ترکی بلانے سے سلطان عبدالحمید کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہاں آکر اتحاد اسلامی کے لئے کام کریں۔ چنانچہ سلطان اور سید جمال الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا آپس میں اتحاد قائم کیا جائے۔ تاکہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت کسی مسلمان حکومت کے خلاف تجاوز کرتی ہے تو سب ملکر اس کا اقتصادی بائیکاٹ کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے ترکی میں مقیم تمام غیر ملکی مسلمانوں کو بلا کر ایک جلسہ منعقد کیا گیا پھر تقریباً پانچ سو خط عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں میں مختلف اسلامی ملکوں میں بھیجے گئے۔ بہت سے ملکوں سے ہمت افزا جوابات بھی آئے، جن کو دیکھ کر سلطان عبدالحمید بہت خوش ہوا۔ مگر ایران کے بادشاہ ناصر الدین نے جب یہ خبر سنی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے ترکی میں اپنے سفیر کو حکم دیا کہ سید جمال الدین کے ساتھ جتنے بھی ایرانی کام کر رہے ہیں انہیں گرفتار کر کے ایران بھجوا دے۔ سفیر نے سلطان عبدالحمید سے ان کی گرفتاری کا حکم حاصل کر لیا اور ان کو گرفتار کر کے ایران روانہ کر دیا گیا۔ جب سید جمال الدین کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً سلطان کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ لوگ تو وہی ہیں جو میرے ساتھ اتحاد اسلامی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ وہ بے خبری میں یہ حکم دے بیٹھے ہیں اور انہیں فوراً واپس بلا لیا جائے گا۔ بہرحال وعدہ پورا نہ ہوا اور ان قیدیوں کو، جن کی تعداد تین تھی ایران میں تبریز کے شہر میں لا کر نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ سید جمال الدین کو اس سانحہ سے بڑا دکھ ہوا۔ عبدالحمید کی طرف سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اور مخالفین کو ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا اور وہ سید جمال الدین سے سلطان کو بدظن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ناصر الدین ۷ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ ق کی عصر کو درگاہ شاہ عبدالعظیم میں زیارت کے لئے پہنچا تو سید صاحب کے ایک، مرید مرزا رضا کرمانی نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ناصر الدین شاہ کے قتل نے سلطان عبدالحمید کو اور بھی زیادہ خائف کر دیا۔ سید کے دشمنوں نے یہ

Marfat.com

مشہور کر دیا کہ یہ قتل سید صاحب کے ایما پر ہوا ہے۔ اس طرح جب خدیو مصر عباس استنبول میں آئے تو مخالفین نے سلطان سے کہا کہ سید جمال الدین خدیو سے سازباز کر کے اسے خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ سلطان سید سے بد ظن ہو گیا۔ اور ان پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا۔ سید جمال الدین نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ترکی سے چلے جانے کی اجازت چاہی مگر سلطان کو ڈر تھا کہ سید ترکی سے باہر جا کر ان کے خلاف وہی کریں گے جو انہوں نے لندن میں جا کر ناصر الدین شاہ ایران کے خلاف کیا تھا۔ اس لیے اس نے سید صاحب کو باہر جانے کی اجازت نہ دی اور مجبور کیا کہ وہ ترکی ہی میں نظر بندی کی زندگی بسر کریں۔ اب سید صاحب شاہی مہمان کی بجائے شاہی قیدی بنا دیئے گئے، اور وہ پولیس اور جاسوسوں کی سخت نگرانی میں زندگی گزارنے لگے۔

اس نظر بندی کی حالت میں سید جمال الدین جبڑے کے سرطان میں مبتلا ہو گئے ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود ان کا مرض زور پکڑتا گیا۔ اسی حالت میں سید نے علاج کی غرض سے وی آنا جانے کی اجازت مانگی مگر وہ بھی نہ مل سکی۔ آخر ۵ شوال ۱۳۱۴ھ .ق مطابق ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو کئی روز مرض کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد ان کا ترکی ہی میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ایرانی مورخین کا خیال ہے کہ سید مریض نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں زہر دیا گیا تھا۔ جس میں سلطان عبد الحمید اور سید کے بدترین دشمن ابوالھدٰی کا ہاتھ تھا۔

سید صاحب کو قبرستان شیوخ میں دفن کیا گیا جہاں ان کی قبر ایک عرصہ تک بے نام و نشان رہی اور ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں ایک امریکی نے اپنے خرچ سے اس کو پختہ کروایا۔ بعد میں شاہ افغانستان کی درخواست پر ۱۹۴۴ء میں ان کی نعش افغانستان لائی گئی اور اب وہ کابل کے نزدیک مدفون ہیں جہاں ان کا ایک عالی شان مقبرہ تیار کیا گیا ہے۔

تالیفات:

سید جمال الدین نے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار چھوڑیں:

۱- تاریخ الافغان ۲- رسالہ نیچریہ ۳- مقالات جمالیہ ۴- طفل رضیع ۵- حجۃ البالغہ

Marfat.com

۶۔ رسالہ حقیقت اشیاء ۷۔ کیفیت شہادت سید الشہداء علیہ السلام ۸۔ عروۃ الوثقیٰ کے (۱۸ شمارے)۔

سید جمال الدین نے مسلمانوں کی بیداری اور فکری تنویر کے لئے جن تعلیمات کا پرچار کیا، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

آج مذہب اسلام ایک کشتی کی مانند ہے۔ اس کے ملاح محمدؐ بن عبداللہؐ ہیں اور خاص وعام تمام مسلمان اس سفینہ مقدس کے کشتی نشین ہیں۔ اور آج یہ کشتی عالمی سیاست کے سمندر میں طوفان سے دوچار اور غرق ہونے کے نزدیک ہے اور دنیا کے سیاسی واقعات و حادثات نے اس کشتی کو غرق و فنا کرنے کے لئے رخنہ اندازی کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اس کشتی کے ساکنین کا جو کہ نزدیک غرق و ہلاکت ہیں کیا فرض ہے؟ کیا پہلے چاہیے کہ اس کشتی کی طوفان سے حفاظت اور غرق آب ہونے سے نجات کے لئے کوشش کریں یا دوگانگی اور اختلاف میں مبتلا اور ذاتی اغراض و مقاصد کی پیروی کر کے ایک دوسرے کی تباہی اور ہلاکت کے لئے کوشاں ہوں؟

- مسلمانوں کی کوئی علیحدہ قومیت اور تقسیم نہیں وہ صرف ایک ہی قومیت رکھتے ہیں اور وہ ہے اسلام۔ ان میں بادشاہوں اور ارباب اقتدار کی تعداد کی وہی حیثیت ہے جو قبیلہ میں متعدد رئیسوں یا ایک جنس کے افراد میں کئی سرداروں کی ہوتی ہے۔
- کامیابی کی کنجی حرکت اور عمل میں ہے۔ صداقت اور راستبازی کامیابی کا زینہ ہے۔ ڈر اور خوف' ناامیدی اور پست ہمتی کو قریب تر لاتے ہیں، اور ناامیدی اور پست ہمتی موت کا سبب بنتی ہے۔
- اتفاق ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور ایک دوسرے کے قریب تر ہونے کا نام ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہر فرد کو قوم کے سود و زیاں کا احساس ہونے لگے۔
- ہمارے ممالک پر بلائے مبرم کی طرح نازل ہونے والے مصائب جنہوں نے ہماری عزت و آبرو کو ختم کر دیا، کبھی ہمیں اپنے تیروں سے چھلنی نہ کر سکتے اور اپنے

Marfat.com

تیروں سے زخم نہ لگا سکتے، اگر ہم خود ہی آپس کے اختلاف میں منہمک ہو ہر لرایک دوسرے کی امداد سے منہ نہ موڑ لیتے۔

■ اسلامی آئین کے مطابق ہر اس تسلط کو خیرباد کہنا چاہئے جس کے نظام کو ہاتھ میں لینے والا احکام شریعت کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو۔

• بزدلی وہ خصلت ہے جس نے بڑی بڑی مملکتوں کے شجر اقبال کو گھن کی طرح کھوکھلا کر کے خاک میں ملا دیا ہے اور ان کے تعلقات اور یک جہتی کے رشتے کو کاٹ کر ان کا شیرازہ منتشر کر ڈالا۔

■ بزدل کو ذلتوں کی دشوار گزار گھاٹیاں ہموار' اور خواری و بربادی کی حقیر زندگی نعمت اور خوشحالی کی حامل دکھائی دیتی ہے۔

■ جس وقت کوئی قوم اپنے کسی خادم کا حق ادا کرنے سے انکار کر دیتی ہے یا اس کے کارناموں کو سراہنے میں بخل کرتی ہے تو ہمتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ مصلحت عامہ کیلئے جدوجہد سست ہو جاتی ہے۔ قومی خدمت کیلئے عمریں وقف کرنے یا رضاکارانہ زندگی پیش کرنے میں لوگ تامل کرنے لگتے ہیں- قوم کی حالت ابتر ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے کٹ کر فنا ہو جاتی ہے۔

■ جو شخص زمین پر پھر کر قوموں کی تاریخ تلاش کرے اور اس کے دل میں بصیرت بھی ہو تو اس کو یہ معلوم ہو گا کہ کسی ملک کی عمارت کا گر جانا اور کسی سلطنت کا تختہ الٹ جانے کے اسباب مندرجہ ذیل ہوتے ہیں۔

اختلاف وافتراق، کسی ناقابل اعتماد اور اجنبی عذر کی دخل اندازی، حکومت میں خود رائی کا اظہار اور مشورہ سے انکار ، قوت کی فراہمی اور ملک کے بچاؤ کی تدابیر سے لاپروائی۔ جس آدمی میں کام کو سرانجام دینے کی صلاحیت نہ ہو اسے کام سپرد کرنا اور اشیاء کا بے موقع استعمال، اس طرح حکم میں بے انصافی اور نظم و نسق میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے قوانین فطرت کا خلاف لازم آتا ہے اور پھر خطاکار لوگوں پر اس احکم الحاکمین کا غضب نازل ہوتا ہے۔

Marfat.com

- جس قوم کا اپنے معاملات کے حل و عقد میں کوئی اختیار نہ ہو، ملی و ملکی امور کے بارے میں اس سے کوئی مشورہ نہ لیا جائے، اپنے عمومی فائدوں کی خاطر اس کے ارادے بیکار اور بے نتیجہ اور اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو اور اُسے ایک ہی مستبد حاکم کے سامنے جھکنا پڑے اور اس حکم کا ارادہ بھی قانون متصور ہو، اس کی خواہش پر نظام حکومت کا دارو مدار ہو، جو اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کیا کرے اور من مانی کاروائیاں کرنے میں مطلق العنان ہو، ایسی قوم کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتی، نہ اس کی رفتار ترقی کسی قانون اور نظام کے ماتحت منظم ہو سکتی ہے، وہ سعادت اور شقاوت، علم اور جہالت، دولت اور فاقہ کشی اور عزت و ذلت کی کشمکش میں، اور کبھی ترقی سے دوچار رہتی ہے۔
- میں ظالم اور مظلوم دونوں سے دشمنی رکھتا ہوں، ظالم سے اس لیے کہ وہ ظلم کرتا ہے اور مظلوم سے اس لیے کہ وہ ظلم کو قبول کر کے ظالم کو زیادتی کا حوصلہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔
- ملت اسلامیہ کی بنیاد غلبہ اور شوکت کو طلب کرنے۔ فتوحات حاصل کرنے، قوت و اقتدار بڑھانے اور قانون اسلام کے سوا باقی ہر قانون کا مقابلہ کرنے پر رکھی ہوئی ہے۔
- جس دن سے اسلام کا ابتدائی سنگ بنیاد رکھا گیا اس وقت سے لے کر آج تک مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلمان قبائلی رشتوں اور رنگ و نسل کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ ان کی نظریں صرف مذہبی اخوت پر جمی رہتی ہیں۔
- اتحاد اسلامی سے میرا مقصد یہ نہیں کہ تمام اسلامی ممالک میں کسی شخص واحد کی حکمرانی تسلیم کی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس بات کو بہت مشکل سمجھا جائے۔ لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ ان سب پر قرآن کا حکم غالب رہے اور سب مذہب اسلام کو اپنے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنالیں۔ ہر صاحب مملکت اپنے ملک کی نگہبانی کرتے ہوئے اپنے ہمسایوں کی حفاظت میں پوری طرح کوشاں رہے کیونکہ اس کی زندگی ہمسایہ مملکت کی زندگی سے وابستہ اور اس کی بقا کے بغیر ناممکن ہے۔

Marfat.com

- قانون الٰہی یہی ہے کہ جو قومیں اعلیٰ اخلاق سے مزین ہو کر زندگی کے میدان میں اترتی ہیں وہ کامیاب ہوتی ہیں۔ اور جو قومیں اعلیٰ اخلاق پیدا نہیں کرتیں، مر جاتی ہیں۔
- جب کسی قوم میں ضعف اور غفلت کا غلبہ ہوتا ہے تو کوئی اجنبی قوم اس پر قبضہ کر لیتی ہے۔ طاقتور قوم کا ظلم کمزور قوم کے اندر نئی زندگی پیدا کر دیتا ہے اور وہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ کھوئی ہوئی قوت پھر حاصل کی جا سکتی ہے۔
- حق کے راستے میں قدم اٹھانا اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے مال و جان قربان کرنا مومن کی پہلی نشانی ہے۔
- خود بینی اور خود پسندی سے انسان میں کبر و نخوت پیدا ہوتی ہے۔ کبر و نخوت کی وجہ سے وہ انسان کو حقارت سے دیکھتا ہے اس لیے اس سے برے برے کام سرزد ہونے لگتے ہیں۔
- عالم کی سلطانی علم ہی کے ہاتھ ہے۔ علم کے بغیر نہ حکومت قائم ہو سکتی ہے نہ کبھی ہوئی اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔ جہالت کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رکھا گیا کہ بارگاہ علم میں اپنی پیشانی رگڑے اور اپنی بندگی کا اعتراف کرے۔ یہی وجہ ہے حکمرانی کبھی علم کے گھر سے نہیں گئی۔ دنیا کی ساری دولت و ثروت علم کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں دولت کا وجود علم کے بغیر مفقود ہی نہیں بلکہ علم کے بغیر کوئی دولت مند ہو ہی نہیں سکتا۔
- فقر و فاقہ، ذلت و مسکنت، پریشان حالی و گمنامی لوگوں میں اس وقت پیدا ہوئی جب جہالت اور پریشانی ان پر چھا گئی۔
- امید وہ توقعات ہیں جن کے ساتھ عمل وابستہ ہو۔

❖❖❖

Marfat.com

تصوف وعرفان

Marfat.com

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ اور وحدت الوجود

ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی*

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہ بہ حرم قافلہ را
از دل سالکِ رہ جاذبہ صحبت شان — می برد وسوسہ خلوت و فکر چلہ را

پیشوائے موحدین، رہنمائے مجددین، قطب اقالیم معرفت، مرکز دائرہ حقیقت ظل اللہ بلاریب واشتباہ فانی بخود حضرت خواجہ ابو المؤید رضی الدین عبد الباقی باللہؒ جو زبان خاص و عام میں باقی باللہ کے نام سے معروف اور بے رنگ (۱) کے لقب سے ملقب ہیں، ۵ ذوالحجہ ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء کو کابل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی حضرت عبد السلام سمرقندی اویسی نقشبندی سے حاصل کی بعد ازاں مولانا محمد صادق حلوائی سمرقندی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے درسی کتب کا اکتساب کیا۔ جب استاد کابل سے ماوراء النہر گئے تو خواجہ صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے دوران درس ایک روز ایک مجذوب نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را
آئینہ دل بین کہ کتابی بہ ازین نیست

عارف کی زبان سے نکلی بات دل میں اتر گئی کتابوں سے دل اچاٹ ہو گیا طلب حق کی آگ قلب مضطر میں فروزاں ہو گئی اور گویا مولانائے روم کا شعر پڑھتے ہوئے مرشد کامل کی تلاش اور مسلم باطن کی جستجو دیافت میں نکل پڑے:

ایھا القوم الذی فی مدرسۃ — کلما حصلتموہ وسوسۃ
(اے لوگو، تم نے مدرسوں میں جو کچھ حاصل کیا ہے وہ شیطانی وسوسہ ہے)

* شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، بھارت

Marfat.com

متعدد بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی سے کشود کار نہ ہوا۔ سمرقند کے سفر میں بعض واقعات میں حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرارؒ (۸۰۶ھ / ۱۳۰۴-۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) کو فرماتے سنا کہ آپ خواجہ امکنگی کے پاس حاضر ہوں۔ پھر خود بدولت نے بھی حضرت خواجہ امکنگی کو یہ فرماتے سن لیا کہ "اے فرزند ہماری آنکھ تمہاری راہ پر لگی ہوئی ہے جلدی آؤ۔" اس کو سن کر آپ نے یہ ورد زبان فرمایا:

می گذشتم زغم آسودہ کہ ناگاہ زکمیں
عالم آشوب نگاہے سر راہے بگرفت (۲)

بالآخر بخارا پہنچ کر حضرت خواجہ امکنگی بن خواجہ محمد درویش سے بیعت و اجازت حاصل کی اور حسب ارشاد مرشد برحق کہ ملک ہند کو تمہاری ضرورت ہے ۱۰۰۸ھ میں ہندوستان واپس آئے اور سال بھر لاہور میں مقیم رہے۔ اس کے بعد وصال تک، دہلی میں قیام فرما کر خلق خدا کی بڑی تعداد کو اپنے فیض باطنی اور کیمیا نظری سے فیضیاب کیا۔ دہلی میں قیام کی کل مدت صرف تین چار سال ہے لیکن اس قلیل عرصہ میں مقبولیت حاصل ہوئی اور جو علمی و روحانی کام ظہور پذیر ہوئے وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہیں۔

شفقت و مکرمت، غایتِ ترحم، انکساری و عاجزی، ستر احوال و مقامات اخفائے نسبت تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن میں آپ اپنی مثال تھے۔

شیخ تاج الدین سنبھلی، خواجہ حسام الدین، شیخ الہدا دہلوی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی وغیرہ آپ کے باکمال و نامور خلفا ہوئے۔ دو صاحب زادے حضرت خواجہ کلاں اور خواجہ خرد آپ کے آئینہ کمال تھے۔ ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء کو تقریباً ۴۰ سال کی قلیل عمر میں دہلی میں وفات پائی۔

ذاتے ست کہ بدوست بود باقی
از خود ہمہ فانی الصفت بود

Marfat.com

برخالق خویش جملگی عشق
برخلق تمام عاطفت بود
اے تشنہ دلم بسال فوتش
خوش گفت کہ بحر معرفت بود(۳)

۱۰۱۲

حضرت خواجہ کی جن تصانیف کا پتہ چلتا ہے ان میں (۱) سلسلۃ الاحرار، رباعیات کا مجموعہ ہے اس کی شرح شیخ مجدد الف ثانی نے لکھی ہے۔ مطبوعہ ہے۔ (۲) کلیات ان کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ جس میں ان کی ایک مثنوی بھی شامل ہے۔ زبدۃ المقامات میں اسے جزوی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی مولوی احمد حسین خان قادری نقشبندی نے مرتب کر کے محمود پریس حیدر آباد سے ۱۳۲۸ھ میں طبع کرائی تھی۔ مثنوی کا سن تصنیف ۱۰۱۰ھ ہے۔

تاریخ شناس تیز بین مرد
بشکفت بہار در خط آورد

۱۰۱۰ھ

کلیات (۴) کا مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری (۱۰۹۵) میں محفوظ ہے۔ مکتوبات کا ایک (۳) مجموعہ بھی انڈیا آفس (D.P.1095) میں موجود ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۲۳ء میں لاہور سے بعنوان مکتوبات شریف حضرت خواجہ باقی باللہ طبع ہو چکا ہے۔ (۴) تصوف میں ایک رسالہ جس میں عرفان اور عارف وغیرہ کی تعریف ہے۔ ۱۹۰۳ء میں مطبع احمدی دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔ (۵) رسالہ دہ اصل ذخیرہ حبیب گنج ف ۲۰۳/۲۱ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ یہ توبہ، زہد، توکل، قناعت، عزلت، ذکر، توجہ، صبر، رضا اور مراقبہ جیسے الفاظ کی مختصر لیکن بہت جامع تعریف پر مشتمل ہے۔ مثلاً عزلت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''بیرون آمدن از مخالطہ خلقست وکمال آن بیرون آمدن از رویت خلقست''

Marfat.com

کجا غیر کو غیر کو نقش غیر
سوی اللہ واللہ مافی الوجود"

"توجہ" کے بارے میں فرمایا: التوجہ بیرون آمدنست از جمیع دواعی وبتمام خود متوجہ حق شدن

یارب ز تو آنچہ من گدا می خواہم
افزوں نہ ہزار بادشاہ می خواہم
ہر کس بدر تو حاجتی می خواہد
من آمدہ ام ہمیں ترا می خواہم

(۶) رسالہ حقیقۃ الحقایق سر سلیمان کلکشن مسلم یونیورسٹی ف ۱۵۳/ ۵ میں موجود ہے۔ یہ رسالہ بہت اہم ہے۔ راقم احقر کی نظر سے اس کے کسی مخطوطہ یا مطبوعہ نسخے کی صراحت کہیں نہیں گذری۔ رسالہ وحدت الوجود سے متعلق ہے۔ تصوف کے حقایق و معارف، رموز ونکات اور وحدت الوجود کی باریکیوں کا بیان ہے۔ اگرچہ رباعیات اور مثنوی کے مطالعہ سے ہی حضرت خواجہ کے نظریہ کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن رسالہ کے مطالعہ سے ان کے مسلک و موقف اور عقیدہ وحدت الوجود پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

گیارہ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کے ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں ۱۲۶۰ھ کا مکتوبہ ہے ابتدا اس طرح ہے "الحمد اللہ کہ حقیقت از آفتاب روشن تراست وجمال وحدت از مرآت کثرت بہمہ حال در نظر...." اور ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہے:

" الحمد الله و السنته که این رساله دربیان حقیقة الحقایق من تصنیف حضرت شاه باقی بالله قدس سره بروز چهار شنبه دہم شهر ربیع الاول ۱۲۶۰ھ بخط بنده عبدالمنیب اتمام یافت۔"

ذیل میں اس رسالہ کا اردو خلاصہ درج کرنے سے قبل وحدت الوجود اور حضرت مجدد کے ابتدائی زمانہ میں ان کے مشرب و مسلک کے سلسلہ میں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اکابر صوفیائے کرام کی زندگیوں میں بھی ہمیں وحدت الوجود ہی ملتا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے جد طریقت ہیں کا نام نامی بھی، اس سلسلہ

Marfat.com

مین اہم ہے۔
توحید وجودی کا مسئلہ کوئی علمی اور استدلالی مسئلہ نہیں ہے جو سمجھایا جا سکے بلکہ ایک ذوقی، وجدانی کشفی اور روحانی لذت ہے ۔"ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی"۔ یہ ایک الٹ پھیر صرف لفظوں کا ہے۔ ورنہ وجود شہود ہے اور شہود وجود، شہود ہو ہی نہیں سکتا جب تک وجود نہ ہو اور وجود کا تصور ناقص اور ناقابل فہم ہے جب تک شہود نہ ہو، قرآن پاک کا یہ علی الاعلان بیان اللہ نور السموات والارض وحدت وجود کا بین ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔ ذات جس طرح صفات سے الگ نہیں، اسی طرح وجود شہود کا غیر نہیں۔ وحدت میں تفریق اور تفرقہ کیا؟ ایک ذات ہے جس کے لاتعداد اور لاتحصی مظاہر ہیں جن میں سے کچھ نگاہ ظاہر بین میں فی الحال ہویدا ہیں، اور ہزاروں ایسے ہیں جو بھی تک نگاہوں سے اوجھل ہیں، اور کیا معلوم کب منصۂ شہود پر آجائیں۔ ابتدائے تاریخ تصوف میں توحید کے تصور میں یہ تفریق نہ کبھی پیدا ہوئی نہ اس کی کبھی ضرورت پڑی کیوں کہ ذکر الٰہی لا الہ الا اللہ دلوں کو زندہ کرنے کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ ان موشگافیوں کی صوفیائے کرام کو نہ فرصت تھی اور نہ ان کی چنداں ضرورت۔ مظاہر فطرت مشہود ہیں اور حق من حیث الحقیقت وجود۔ جب کہ شاعر نے کہا ہے:

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

لہٰذا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں جائے جھگڑا اڈالنے۔ کے اور ان کے فرق و تفریق کو منطقی استدلال سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط سمجھنا اور کہنا دراصل ایک فریب خرد ہے اور فریبِ خرد میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ حسنِ ازل کی (جو مستور ہے) لقائے زیبا کی خواہش میں زندگی کو وقف کر دیا جائے تاکہ زندگی ہمیشہ زندہ رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے شریعت کے غلبہ کے باعث یہ فرق محسوس کیا لیکن شریعت و طریقت جداگانہ شے نہیں ہیں۔ شریعت ہم پر ہے اور طریقت ہم میں ہے۔ ایک کا تعلق ظاہر سے ہے اور دوسرے کا باطن سے۔ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے نفس کا عمل اور طریقت روح کا عمل

Marfat.com

ہے۔ نہ ظاہر باطن سے الگ ہو سکتا ہے اور نہ باطن ظاہر سے۔ جب شہبازِ طریقت کو یہ دونوں شہپر میسر ہوتے ہیں تب وہ رموز نہانی کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی کو بقا الفنا کہتے ہیں اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے باطن پر خدا کی ہستی کے ظہور کا غلبہ ہو تو خدا کے سوا کسی شے کا علم و شعور باقی نہ رہے اور فناء الفنا یہ ہے کہ اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔ اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ فنا اس حال کا نام ہے جس میں انسان مشاہدہء ذات حق میں ایسا محو ہو جائے کہ کائنات اس کی نظر میں معدوم ہو جائے اور بقا یہ ہے کہ انسان ایسا کمال حاصل کرے کہ حق کو خلق میں دیکھے اور خلق کو حق میں اس طرح کہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کے مانع نہ ہو۔ یہی مقامِ انسان کامل اور خلافت الہیہ کا ہے (۵)

حضرت مجدد الف ثانی دفتر اولی کے مکتوب ۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

فقیر کا اعتقاد لڑکپن سے اہل توحید کا مشرب تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ بظاہر اسی مشرب پر ہوئے ہیں، اور باطن میں پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود جو مرتبہ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے ان کا اشتغال ہمیشہ اسی طریق پر رہا اور اس مضمون کے موافق کے مطابق فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے فقیر کو اس مشرب سے از روئے علم بہت فائدہ اور بڑی لذت حاصل تھی، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد و ہدایت کی پناہ والے حقائق و معارف کو جاننے والے پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ اور مولیٰ و قبلہ حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت و صحبت نصیب کی، اور انہوں نے فقیر کو طریقہء علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور مسکین کے حال زار پر بڑی توجہ فرمائی۔ اس طریقہ علیہ کی مشق کے بعد تھوڑی مدت میں توحید وجودی منکشف ہو گئی۔ اس کشف میں حد سے بڑھ کر زیادتی پیدا ہوئی اور اس مقام کے علوم و معارف بہت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کے دقایق میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جس کو فقیر پر منکشف نہ کیا گیا ہو۔ شیخ محی الدین ابن عربی (۶) نے معارف کے دقائق کو جیسے کہ چاہیئے ظاہر فرمایا اور تجلی ذاتی جس کو صاحب فصوص نے بیان فرمایا ہے اور اس کے سوا عروج کی نہایت نہیں جانتا اس تجلی کی

Marfat.com

شان میں کہتا ہے و مابعد هذا الا العدم المحض (اس کے مابعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں) فقیر اس تجلی سے بھی مشرف ہوا اور اس تجلی کے علوم و معارف بھی جن کو شیخ خاتم الولایت سے مخصوص جانتا ہے متصل معلوم ہوئے اور سکر وقت اور غلبہ حال اس توحید میں اس درجہ تک پہنچا کہ بعض عریضوں میں جو حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں لکھے تھے ان دو بیتوں کو جو سراسر سُکر ہیں لکھا تھا:

اے دریغا کین شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است (۷)

کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے لِمَنِ الملکُ الیوم لِلّٰہ الواحد القهار (آج حکومت کس کی ہے؟ صرف اللہ کی جو بڑا زبردست ہے۔ (سورہء مومن، رکوع -۱- پارہ ۲۴) کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے ملک سے مراد سالک کا دل ہو یعنی جب اللہ تعالی قہر احدیت سے کسی دل پر تجلی فرماتا ہے تو اس دل میں اپنے غیر و غیریت کا کوئی نشان واثر نہیں چھوڑتا۔ پھر اس دل میں لمن الملك اليوم کی صدا داخل فرماتا ہے اور جب اس میں اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو خود ہی جواب دیتا ہے لِلّٰہِ الواحد القهار، سبحانی ما اعظم شاني، انا الحق اور هل في الدارين غيري وغیرہ وغیرہ کی صدا بھی اسی مقام سے ہے (۸)

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

متاخرین نقشبندی حضرات کے یہاں بھی ہمیں وحدت الوجود جاری و ساری ملتا ہے۔ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اکثر فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو برسر منبر فصوص الحکم کے

Marfat.com

ایک ایک مسئلہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح ثابت کر دوں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی زندگی کے متعدد واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ وجودی فکر کے تھے۔ آپ کے ماموں حضرت شیخ عبید اللہ صدیقی جو اپنے عہد کے ایک باکمال اور صاحب نسبت و حال بزرگ تھے ان کا درج ذیل واقعہ بھی اسی کا بیّن ثبوت ہے۔

انہیں ایام میں جب اس شدت مرض سے افاقہ ہوا تو فرمایا کیا کوئی گانے والا موجود ہے جو مجھے گانا سنائے اس وقت ایک گانے والا حاضر ہوا اور آپ کے حکم سے اس نے گانا شروع کیا۔ اس اثنا میں اس فقیر سے فرمایا (شیخ محمد عاشق پھلتی فرزند شیخ عبید اللہ صدیقی) کو عالم ناسوت سے انقطاع کلی ہو گیا ہے۔ گویا یہ عالم وہم و خیال تھا، جو غائب ہو گیا یا ایک خواب تھا جو فراموش ہو گیا: پھر دوسرے وقت اس فقیر نے عرض کیا کہ عالم ناسوت سے اس حد تک انقطاع ہو گیا تو پھر نسبت کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نسبت کیا معنی؟ ہمہ اوست۔ فقیر نے عرض کیا کہ جی ہاں یہی مراد ہے پس آپ پر ایک جوش و خروش کی کیفیت طاری ہوئی ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ ہمہ اوست نہ از اوست بلکہ ایک چیز ہے یعنی وحدت صرف اور بس (۹)

اندکی پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کمال انا الحق کہنے میں نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ انا کو درمیان سے ہٹا دے اور کبھی اس کا خیال بھی نہ لائے۔

جب تک خودی ہے تب ہی تلک ہے خدا جدا
غیبت گر آپ سے ہو تو، حق کا ظہور ہے

حضرت خواجہ باقی باللہ بھی تمام تر زور اسی بات پر دیتے ہیں کہ خودی کو درمیان سے اٹھا دیا جائے تا کہ حقیقۃ الحقائق کا مشاہدہ ہو سکے۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

اگر خواہی شود مکشوف این راز
حجاب ہستی از جانت برانداز
وگر خواہی بگیرد در تو این دم
بروں از پردہ شو واللہ اعلم
زخود بیروں بروکز تو جدا نیست
خودی بگزار کاین از خود ستائیست

آپ رسالہ حقیقۃ الحقائق میں اپنے اس مشرب اور موقف کو زیادہ واضح اور تفصیلی طور پر بیان فرماتے ہیں۔ مخاطب غالباً حضرت کے کوئی مرید یا مرشد ہیں جا بجا "اے سید" سے خطاب ہے۔ فرماتے ہیں:

باطن کی وحدت کثرت ہے اور ظاہر کی کثرت وحدت ہے۔ دونوں کی حقیقت یکساں ہے۔ شریعت ان چند اعمال وافعال پر عمل کا نام ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور طریقت تہذیب اخلاق کا نام ہے، یعنی اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ سے بدل دینا۔ اسی کو وطن میں سفر اور سلوک کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ تمام اشغال واذکار مراقبات و توجہات اور سلوک کے طریقے جنہیں مشائخ نے وضع کیا ہے صرف "انانیت موہومہ" کے دفع کرنے کے لیے ہیں۔ ایک عارف نے خوب فرمایا ہے درویشی تصحیح الخیالی کا نام ہے۔ شب و روز وحدت کے خیال میں رہنا چاہیے اگر تم سرداری چاہتے ہو تو واحد ہو اور واحد رہو۔ واحد ہونا یہ ہے کہ دوئی کے خیال سے بھی باہر آجاؤ۔ اور واحد رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ وحدت میں رہو اور ذہنی و قلبی پراگندگی اور غم واندوہ کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دو کیوں کہ یہ سب دوئی کی علامت ہیں۔ جب دوئی مٹ جائے گی تو دونوں عالم میں آسودگی حاصل ہو گی۔ اس عالم میں غیر کہاں اور غیر کیسے موجود ہوا:

غیر تش غیر در جہان نہ گذاشت
لاجرم جملہ عین اشیا شد

جب تم اس امر کی حقیقت جان لوگے تو سمجھ جاؤ گے کہ نزدیکی و قرب، دوری و

Marfat.com

فراق سب توہمات ہیں۔

جامیؔ مکن اندیشہ نزدیکی و دوری
لاقرب و لا وصل ولابعد ولابین

اگر ہزار سال اس پر غور کرو گے تو بھی سوا حقیقت مطلقہ جو عین وحدت ہے کچھ نہ پاسکو گے۔ اس لیے کہ اس کا غیر وہی ہے اور وہی سب کچھ ہے (غیر اوبود ہمہ اوست واو ہمہ است)۔ اس کا وجود ظہور ہے۔ عدم، بطون، اوّل، آخر، ظاہر، باطن، مقید، مطلق کل، جز، مشبہ، منزہ، سب وہی ہے۔ عارف کے لیے اس سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔

ایک دوسرے رسالہ میں عارف کی اس طرح تعریف فرماتے ہیں:

بھائی! عارف وہ ہے جو بغیر کسی خواہش کے سب اچھے کام کرتا ہے اور سب برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے حالانکہ کسی برے کام کا منکر نہیں ہوتا اور سب لوگوں سے ملتا جلتا رہتا ہے حالانکہ کچھ تعلق نہیں رکھتا (باہمہ و بے ہمہ) سب آدمیوں سے تنہا رہتا ہے باوجودیکہ کچھ نفرت نہیں ہوتی۔ اور خدا تعالیٰ کو ہر چیز کا عین جانتا ہے اور ہر چیز میں دیکھتا ہے باوجودیکہ کسی کو خدا نہیں کہتا اور خدا تعالیٰ کو سب کا غیر سمجھتا ہے حالانکہ غیریت کا قائل نہیں ہوتا ہے۔ عارف کا مشرب سب کے مشربوں سے نرالا ہوتا ہے وہ کسی کے مشرب کو اپنا مشرب نہیں جانتا اور سب کے مشربوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے وہ کسی مشرب سے نہیں ملتا۔ (۱۰)

تمہارا بدن تمہاری روح کی صورت و مظہر ہے اس کا غیر نہیں ہے تمہاری روح حق کی صورت و مظہر ہے۔ حقیقت مطلقہ کے بہت سے ظہورات ہیں ایک ظہور علم اجمالی ہے دوسرا تفصیلی تیسرا صور روحانیہ چوتھا صور مثالیہ پانچواں صور جسمانیہ، اگر ظہور انسانی کو جدا کرو تو اس طرح چھ ظہور ہوئے جن کو تنزلات خمسہ یا حضرات ستہ کہتے ہیں (۱۱) انسان ان تمام ظہورات کا جامع ہے۔

Marfat.com

اگر تم چاہتے ہو کہ علوم و معارف تم پر منکشف ہوں تو دوئی کا خیال ذہن سے نکال دو تفرقہ اور جدائی جبھی تک ہے جب تک سب کو ایک نہ سمجھو اور نہ دیکھو جب سب کو ایک دیکھو گے تو تفرقہ و دوری سے چھٹکارہ پالو گے، کیوں کہ جب سب ایک ایک سمجھو گے تو ایک ہی رہ جائے گا۔

دو مبین و دو مدان و دو مخوان
خواجہ را در بندۂ خود محو دان

گر جدا بینی ازو این خواجہ را
گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را

درنگر این عالم و آن عالم اوست
نیست غیر او اگر ہست آن ہم اوست

جملہ یکذاتست اما متصف
جملہ یک حرف و عبارت مختلف

جب تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے کہ خود کو نہ دیکھو گے بلکہ اس کو دیکھو گے تو دنیا و آخرت کی آسودگی تمہارے حق میں ایک ہو جائے گی۔ فنا و بقا، خیر و شر، کفر و اسلام، موت و حیات، طاعت و معصیت سب پس پشت ہو جائیں گے کیوں کہ جب تم نہ ہو گے تو کوئی چیز نہ ہو گی، کیوں کہ سب چیزیں تم سے وابستہ ہیں۔ کوئی شے تم سے جدا نہیں ہے ہر چیز تم میں موجود ہے۔ ایک ذات ہے کہ تمام عالم اس کی صفت ہے اور اسی سے قائم ہے۔ تیری روح وہی ہے تیرا دل وہی ہے۔

لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی اعبد فاذا احببۃ کنت لہ سمعاً وبصراً الخ

ای نسخہ نامہ الٰہی کہ توئی
و ای آئینہ جمال شاہی کہ توئی

Marfat.com

بیرون زتو نیست ہر چہ در عالم ہست
از خود بہ طلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

اے سید، ہر چیز سے نیاز مندی کر کیوں کہ وہ تیرا مطلوب ہے۔ دشمن سے دوستی کر کہ وہ تیرا مقصود ہے۔ اپنے ساتھ محبت کر کہ عین محبوب ہے۔ یہ تمام چیزیں سلوک میں ضروری ہیں۔ اچھے اور برے کو دریائے وحدت میں ڈال دو تاکہ حقیقت کے آشنا ہو سکو۔ یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں یا کہہ رہا ہوں در حقیقت حقیقت خود محو گفتگو ہے۔

من نیم واللہ یاراں من نیم

سالک پر آداب طریقت کی پابندی لازم ہے۔ کم سویا کرو، کم بولا کرو اس لیے کہ زیادہ بولنا تفرقہ پیدا کرتا ہے اور تم کو کسب وحدت دیگانگی سے دور کرتا ہے۔ غلام و آقا، آشنا و بیگانہ دشمن و دوست سب کو بنظر اخلاص اور چشم حقیقت دیکھنا چاہیے۔ نزاع و جدال کو بالکلیہ ختم کر دو اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے تو ہرگز ہرگز غم مت کرو۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج
کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

دنیا کی محبت سلوک کی راہ میں سخت مضر ہے۔ لباس میں تکلف نہ کرو، ہمیشہ حاضر حال رہو۔ گذشتہ و آئندہ کی فکر دل سے نکال دو، جان لو کہ کوئی موت وحدت سے غفلت کی موت سے بدتر نہیں ہے۔ اور کوئی عذاب حقیقت سے دوئی سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ سب ایک ہے اس کے علاوہ موجود نہیں۔

تمہارا مقصود یہی ہونا چاہیے کہ دوئی کو ختم کر دو گویا تم ہو ہی نہیں وہی وہ ہے۔ تمام انبیاء و اولیا اس سلسلہ میں مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ آسمانی کتابوں، احادیث نبویہ اور کلمات اولیا کے اس سلسلہ میں دلائل ہیں۔ ہر فرقہ کے علماء اس کے قائل ہیں کہ غیر حق موجود ہی نہیں یہ عالم اس کی صورت اور اس کا ظہور ہے۔ اللہ بس باقی ہوس

Marfat.com

مآخذ

۱-عارف رومی کیا خوب فرماتے ہیں:

چون کہ بے رنگی اسیر رنگ شد — موسیٰ با موسیٰ خود جنگ شد
چون بہ بیرنگی رسی کاں داشتی — موسیٰ و فرعون دارند آشتی

۲-زبدۃ المقامات، مولانا محمد ہاشم کشمی (نول کشور پریس لکھنو، ۱۸۹۰ء):

۳-حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزید تفصیلی حالات کے لیے درج ذیل مراجع سے استفادہ کریں

۱-آثار الصناوید، سر سید احمد خان، نول کشور پریس لکھنو، ۱۸۷۶ء،
- ارشاد رحیمیہ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۳ھ
- انتصاح عن ذکر اہل الصلاح، حضرت شاہ علی اللہ قلندر کاکوروی، اصح المطابع لکھنو۔
- انفاس العارفین، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، دہلی ۱۳۳۵ھ
- انوار العارفین، محمد حسین مراد آبادی، مطبع صدیقی، بریلی، ۱۲۹۰ھ
- بحر ذخار، شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی، (مخطوطہ)، کتب خانہ اخوزیہ، کاکوری شریف،
- تذکرہ اولیائے ہند، محمد احمد اختر، دہلی ۱۹۵۰ء
- تذکرہ حضرت باقی باللہ، مولانا نسیم احمد فریدی، الفرقان، لکھنو،
- تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی، نول کشور پریس لکھنو، ۱۸۹۴ء،
- حدائق الحنفیہ، فقیر محمد جہلمی، لکھنو ۱۹۰۶ء،
-- حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، محمد حسن نقشبندی، (لاہور اللہ والے کی قومی دکان)،
- حضرات القدس، بدر الدین سرہندی، لاہور، ۱۹۲۳ء،
- حیات باقیہ، عزیز حسن بقائی، دہلی ۱۹۰۵ء۔
- خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور لاہوری، نول کشور پریس لکھنو، ۱۹۰۹ء،
- ذکر جمیع اولیائے دہلی، محمد حبیب اللہ، مخطوطہ آصفیہ، حیدر آباد
- دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، پنجاب
- رود کوثر، شیخ محمد اکرام، لاہور فیروز سنز، ۱۹۵۸ء
- زبدۃ المقات، مولانا محمد ہاشم کشمی، نول کشور پریس، لکھنو، ۱۸۹۰ء
- سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۹ء
- کلمات الصادقین، محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی، باہتمام ڈاکٹر محمد سلیم اختر، اسلام آباد ۱۹۸۸ء۔
- گلزار ابرار، شیخ محمد غوثی شطاری، پٹنہ ۱۹۹۴ء
- نزہۃ الخواطر، سید عبدالحی الحسنی، حیدر آباد، ۱۹۴۴ء،

Marfat.com

- واقعات دارالحکومت دہلی، بشیر الدین احمد دہلوی، آگرہ، شمسی پریس، ۱۹۱۹ء،
- یادگار دہلی، سید احمد خان، دہلی، ۱۹۰۳ء،

۴- کلیات باقی باللہ جو آپ کے مجموعہ کلام و رسائل مکتوبات و ملفوظات پر مشتمل ہے ۱۹۶۷ میں مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی مرتبہ محکمہ او قاف مغربی پاکستان کی اعانت سے شائع ہوئی ہے

۵- خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندیؒ، مولوی حافظ تقی انور علوی کاکوروی: نشاط پریس، ٹانڈہ فیض آباد، ۵۴-۵۵

۶- حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (۵۶۰ھ / ۱۱۶۵ء تا ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء)۔

۷- مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی' دفتر اول' مکتوب ۳۱۔

۸- خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی، مصدر سابق ۱۵۵

۹- القول الجلی فی ذکر آثار الولی، شیخ محمد عاشق پھلتی، مخطوط کتب خانہ انوریہ کاکوری شریف: ۳۷۸

۱۰- رسالہ باقی باللہ مطبع احمدی ۱۹۰۳

۱۱- راقم احقر نے حضرات ستہ کے سلسلہ میں کاکوری میں اپنے برادر بزرگ جناب مولوی حافظ تقی انور صاحب علوی مدظلہ کی خدمت میں استفسار کیا۔ آنجناب مدظلہ نے اس کے جواب میں (۱۸ فروری ۱۹۸۸ء کے مکتوب میں) تحریر فرمایا کہ:

حضرات ستہ دراصل وہ مراتب ستہ ہیں جو انسان کا تخلیقی ہیولی ہیں اور یہی انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہے یعنی وجود کے چھ مراتب نزولی سے انسان یا عالم قدس کے پہلے شخص کی شکل بنائی گئی۔ یہ شکل قلب انسانی کی ہے اور جب اس شکل کو آدمؑ کے پتلے میں داخل کیا گیا تو یہ ثم رددناہ اسفل سافلین ہوا کیوں کہ آدمؑ کے آئینہ نفس نے اس شخص کے عکس کو الٹا قبول کیا جس کے نتیجہ میں صفات سلبی وایجابی کی کشمکش سے آدمؑ کی طبیعت بنی اور اسی طبیعت نے ان کو حوا سے الگ کرنے پر مجبور کیا اور پھر شجر ممنوعہ چکھا۔ جنت ذات میں پہنچنے والوں کی ہر لحہ شکل کی تبدیلی کل یوم ھو فی شان ہے اور انائے حق جو ان سب شکلوں کی اناء ہے الآن کما کان، کل یوم ھو فی شان صفات کے اعتبار سے ہے اور الآن کما کان ذات کے اعتبار سے اور صفات ذات سے جدا نہیں۔" الخ۔

❖❖❖

Marfat.com

کچھ باتیں اندر کی

مسرت لغاری*

کون نہیں جانتا بات کرنا انسان کی کمزوری ہے بلکہ مجبوری ہے۔ یہ قوتِ گویائی ہی ہے جو اسے حیوان سے ممتاز و ممیز کرتی ہے' لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ بات بھی کی جائے جس میں کوئی بات نہ ہو؟ کوئی سننا نہ چاہے تو بھی کہہ دی جائے؟ بات کہنے کے قابل کب بنتی ہے؟ حق کہنے کے لئے کتنی بار سکرات سے گذرنا پڑتا ہے؟ سچ کس طرح سولی چڑھتا ہے؟ یہ ایک طویل سفر ہے یہ سارے مرحلے قطار اندر قطار سولیاں ہیں۔ اتنی سُولیاں کون چڑھ سکتا ہے اور اگر کوئی چڑھ سکتا ہے تو پھر وہ منصور ہوگا۔

کھنچ گئے دارِ عشق پر منصور
بات بگڑی تھی بات کہنے سے

بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نطق تک نہیں آپاتیں، انسان کے اندر ہی اندر گرداب کی صورت گھومتی رہتی ہیں کبھی تہہ میں اتر جاؤ تو مٹھی بھر سنگریزے ہاتھ لگ جاتے ہیں اور کبھی ظاہری اور باہری دونوں آنکھیں بند کر کے تیسری آنکھ سے دیکھو تو نور کی ایک لکیر سی پھوٹتی محسوس ہوتی ہے جو چند ثانیے بعد مجھ جاتی ہے مگر اردگرد کے ماحول کو نور نور کر جاتی ہے۔ اندر کی دنیا' دنیاداری کی باتوں سے ماورا ایک انوکھا طلسم ہے وہ ایک عجیب سی جادونگری ہے۔ اس کی بھول بھلیوں میں کھو جاؤ تو پھر کوئی فرق نہیں پڑتا آپ زندگی کو دو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یا تیسری آنکھ کو بھی کام میں لا رہے ہیں۔ بات خالق کائنات اور اسکے محبوب کی ہو تو پھر سارے منظر ایک ہو جاتے ہیں' ہجر و وصال کی الگ الگ کوئی حیثیت و اہمیت نہیں رہتی۔ دونوں آپس میں ملا دیے جاتے ہیں جس طرح شیر

* معروف صحافی اور قلمکار۔ اسلام آباد

Marfat.com

و شکر۔ شیر و شکر کو کون علیحدہ کر سکتا ہے؟ شرط اتنی سی ہے کہ دل پر جو زخم لگے' جو داغ ابھرے وہ باہری اور پر فریب دنیا کا چرکا نہ ہو' عشقِ حقیقی کا زخم ہو' ایسا زخم کہ جب تک داغ رہے تو لو دیتا رہے اور زخم بنے تو پھول کی طرح کھل اٹھے۔ اگر زوال ہست کے بعد قبر سے خوشبو اٹھے اور جیتے جی فنا میں بقا کا لطف آنے لگے تو فانی انسان کو مزید کیا چاہیے؟ لیکن یہ مرحلے بہت بھاری اور کاری ہوتے ہیں۔ ان سے بخیر گذر لو تو روحانی اعتبار سے امیر کبیر' ہو جاؤ اور اس کشٹ اور ریاضت سے محروم رہ جاؤ تو دونوں دنیاؤں میں فقیر رہ جاؤ۔ اس نوعیت کی امیری فقیری کے بارے میں راہ معرفت کا کوئی صاحب مقام ہی صحیح تخمینہ لگا سکتا ہے' ہم جیسے بے مایہ و بے حیثیت اس بارے میں کچھ نہیں جانتے' مکمل اندھیرے میں ہیں۔ بس کبھی کبھار آس کا کوئی جگنو چمک اٹھتا ہے کہ "دل سلامت ہے تو پھر زخم بہت' داغ بہت"۔ بہر حال زندگی کو سمجھنے کی کوشش میں کچھ باتیں اکثر نوک قلم تک آجاتی ہیں جن کو لکھ لینے کے بعد جینے کا بوجھ کچھ کم محسوس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے چند اقوال و افکار نذرِ قارئین ہیں۔

- روحانیت ہمارے، فکر و شعور کی راستی کا نام ہے۔
- دوست کا انتخاب کرتے وقت یہ مت دیکھیں کہ وہ آپ کو کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔
- دنیا میں ہر کام ہونے کا ایک وقت مقرر ہے اور ہونے کا وہی لمحہ ہماری تقدیر کا لمحہ ہوتا ہے اس سے پہلے کے تمام لمحے ہماری تدبیر کے ہوتے ہیں۔
- اگر کسی بڑی ہستی کو چھوٹا ثابت کرنے کے لیئے ان پر وار کیے جاتے ہیں تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے چیز بڑی ہوگی، تو اسے اپنے سائز کے مطابق چھوٹا بھی کیا جائے گا۔
- جس طرح ہیرے میں گٹھلی نہیں ہوتی اس طرح نیک طینت شخص کے دل میں بدی کا بیج نہیں ہوتا۔
- خراب حالات نہیں ہوتے' فطرتیں اور نیتیں ہوتی ہیں' اگر انسان کی فطرت اور نیت

Marfat.com

بد ہے تو حالات خراب ہو جائیں گے اور اگر فطرت اور نیت نیک ہے تو حالات کی خرابی کا کیا جواز ہے؟

- سونے کی طرح ہر خالص پن کی اپنی ایک قیمت ہوتی ہے۔ خوشی خالص ترین جذبہ ہے اس کی ادائیگی آپ کو کرنی پڑے گی۔
- لوگوں کے جان لیوا استحصال سے بچنا چاہتے ہو تو ان کی محبت اور نفرت دونوں سے ماورا ہو جاؤ۔ اس سے دل لگا لو جو انسان کی محبت اور نفرت دونوں سے ماورا ہے۔
- والدین کے سوا آپ کے ساتھ کسی کا بھی مسلسل اچھا سلوک خطرے کا الارم ہے۔
- محنت اور کاہلی کی مثال ایسی ہے۔ کہ آپ تھوڑی سی بھی محنت کرتے ہیں تو وہ تمام زندگی شمار ہوتی رہتی ہے اس کا ثمر آپ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تھوڑی سی کاہلی بھی ساری زندگی آپ کو بظاہر تھوڑا تھوڑا نقصان پہنچاتی رہتی ہے لیکن دراصل آپ کی حتمی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔
- لوگو! آپس میں رشتوں کو تاوان نہ بناؤ الو ٹوٹ جائیں گے۔
- اگر ایک ہی بار یہ طے کر لیا جائے کہ بدی اور بدنیتی ہمارا ذاتی خسارہ ہے تو ان دونوں گناہوں سے بچا جا سکتا ہے۔
- صبر کا اس سے بڑا ثمر اور کیا ہو سکتا ہے کہ دافعِ شر ہے؟
- زندگی میں سارے دکھ سمجھ کے ہیں اگر آپ کو آگ کی خاصیت معلوم نہیں تو آپ شعلے کو پکڑ سکتے ہیں۔
- دنیا کا کوئی مذہب تکبر نہیں سکھاتا۔ مٹ کر رہنے پر زور دیتا ہے، اس لیے کہ جتنا زور خود کو مٹانے پر لگتا ہے اتنا بنانے پر نہیں لگتا۔
- دنیا نقد ہے آخرت ادھار ہے اور ادھار کی وصولی پر کون اعتبار کرتا ہے؟
- کسی بلا جواز بدسلوکی پر آپ کے ردِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ اس نے آپ کو سمجھا تھا۔

Marfat.com

- چوکنے رہیے، جس کو آپ بیوقوف سمجھ رہے ہیں کہیں وہ بیوقوف بن کر آپ کو تو بیوقوف نہیں بنا رہا؟
- کیا ایسا ممکن نہیں کہ چار روزہ مستعار زندگی میں انسان انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنے اپنے نیک نصب العین کے حصول اور ایک دوسرے کی فلاح و اصلاح میں اس قدر محو ہو جائے کہ اسے کمینگی، بدنیتی اور ظلم و جبر کی فرصت ہی نہ مل سکے؟
- کسی بھی معاملے میں کسی بھی حوالے سے حدِ اعتدال سے باہر مت نکلیں کیونکہ سمندر کا بے پایاں پانی بھی کناروں کے اندر بہتا ہے۔
- اپنے یا کسی کے بارے میں آپ کی خوش فہمی یا غلط فہمی آپ کا ذاتی دھوکہ ہے۔
- یہ حقیقت طلوعِ خورشید کی طرح دائمی ہے کہ آپ کی نیکی برگ و بار لاتی ہے، ثمر دیتی ہے، اجر دیتی ہے، مگر فوری طور پر نہیں۔
- موسم آپ کے اندر ہوتے ہیں کوئی باہر سے موسم بہار کا گلاس بھر کر آپ کے اندر نہیں انڈیل سکتا بعینہ جس طرح نیکی آپ کے اندر کی بات ہے آپ نیکی کا انجکشن نہیں لگوا سکتے۔

❖❖❖

Marfat.com

فارسی ادب

Marfat.com

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں ساتویں صدی ہجری کے دوران فارسی لغت نویسی کا ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری*

ساتویں صدی (ہجری قمری) پاک و ہند میں لغت نویسی کے آغاز کی صدی ہے۔ فارسی زبان میں لغت نویسی کے کام کے سابقے سے متعلق کہنا چاہیے کہ فارسی میں لغت فرس وہ پہلی لغت[1] ہے جو گرشاسپنامہ کے خالق شاعر حکیم ابو نصر علی بن احمد اسدی نے ۴۵۸ھ یعنی اس نظم کی تخلیق کے آخری سال اور ۴۶۵ھ ق یعنی اسدی کی موت کے سال مابین تالیف کی اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ "لغت نامہ" کی ترکیب، اصطلاح جہاں تک راقم کو یاد ہے پہلی بار اسی کتاب میں اور اس لغت کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اسدی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں "میرے فرزند حکیم جلیل اوحد اردشیر نے مجھ ابو منصور علی بن اسدی سے ایک لغت نامہ کی خواہش کی۔[2]

لغت نامہ اسدی مستند ہے اور اس کی زیادہ قدر و قیمت اس میں شعری شواہد کا شامل ہونا ہے، خاص طور پر یہ کہ اس میں بعض ایسے اشعار نقل کیے گئے ہیں کہ اگر وہ نقل نہ کیے جاتے تو آج ان اشعار کے لکھنے والے شعرا کا نام و نشان تک نہ ملتا اور کبھی تو خود وہ اشعار ہی دسترس میں نہ ہوتے۔ لغتنامہ اسدی[3] کے ایک نسخے کے مطابق اس کے لغوی مدخلوں کی تعداد دو ہزار چار سو اور ایک دوسرے نسخے کے مطابق تقریباً ایک ہزار چھیانوے ہے۔ ان مدخلوں کے لیے پہلے نسخہ میں تقریباً ایک سو شعرا اور دوسرے میں تقریباً ۷۵ شعرا اور مجموعی طور پر ۱۳۳۵ اشعار بطور شاہد نقل کیے گئے ہیں۔ منقولہ شعری شواہد بہت واضح ہیں یعنی ہر لغوی مدخل کے روبرو متناسب معنی درج ہیں۔ کبھی کبھار بہت سے

* پروفیسر علامہ طباطبائی یونیورسٹی تہران و کلچرل قونصلر، سفارت ج۔ا۔ا، اسلام آباد

Marfat.com

شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ مثلاً انگشت کے مدخل کے ذیل میں لکھتے ہیں :
انگشت فہم ہے' فردوسی نے کہا :

ہر آنکہ کہ بر زدیکی باد سرد
چو زنگی بر انگشت ز انگشت گرد

معزی نے کہا :

گفت آتش گرچہ من تابندہ ام
باد خشم او کند انگشت و خاکستر مرا (۴)

لغت نامہ اسدی برصغیر ہندو پاک میں لغت نویسی کی بنیاد اور اساس کا رہنما اور ظاہرا ہماری معلومات کے مطابق فرہنگ قواس (یا فرہنگ نامہ یا پنج بخش فرہنگ) جسے ساتویں صدی ہجری کے آخر میں فخر الدین مبارک شاہ قواس (۵) غزنوی نے تالیف کیا تھا' برصغیر ہندو پاک میں لغت نویسی کے مبانی ہیں۔ انہوں نے لغت نامہ اسدی سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی لغت تالیف کی تھی اور اگرچہ مؤلف کا ارادہ فارسی ادب خصوصاً شاہنامہ فردوسی کے متون کی دشواری دور کرنا تھی لیکن اس نے اپنے اندراجات پر شواہد لغت نامہ اسدی سے حاصل کیے۔

قواس اس سلسلے میں اپنی لغت کے پیش لفظ میں لکھتا ہے کہ ھمدل دوست.... شاہنامہ جو ناموں میں سے بہترین ہے' سامنے لائے.... تاکہ اس میں جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ مطالب تھے پوچھ لیں... شاہنامہ جو کہ شاہِ نامہ ھا (ناموں کا بادشاہ) ہے سامنے لایا اور اوّل سے آخر تک اسے پڑھا پہلوی (فارسی) سے متعلق جو کچھ تھا اسے الگ کاغذ پر لکھ دیا.. اور اسے اس روش پر جدا جدا' الگ الگ' نوع نوع اور حصہ حصہ کر دیا...) (۶)

لیکن ظاہری طور پر اس کا یہ دعویٰ عملی شکل اختیار نہ کر سکا اور فرہنگ قواس میں مندرج شاہنامہ فردوسی سے اخذ کردہ شعری شواہد بھی اتنے ہی اندازے اور مقدار سے ہیں جتنا کہ دوسرے شعرا مثلاً سوزنی' رودکی' عنصری' خاقانی' نظامی' منجیک' خسروی' بوشکور'

Marfat.com

کسائی اور دوسروں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اہم تر نکتہ یہ ہے کہ کبھی کبھار شاہنامہ سے لیے گئے اس کے شعری شواہد وہی ہیں کہ جنہیں اس سے پہلے اسدی نے بطور شواہد نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں نمونے کے طور پر کلمہ "پروز" کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔(۷)

خلجی دور حکومت (۶۸۹ تا ۷۲۰ ھ ق) میں فرہنگ قواس کی تالیف ہندوستان میں لغت نویسی کے کام کا ماخذ اور اس کی اساس بنا اور بعد میں آنے والے لغت نویسوں نے قواس کو اپنا مقتدا اور پیشوا جانا اور انہوں نے اس کی پیروی کی۔

حاجب خیرات المعروف بہ رفیع دہلوی نے "دستور الافاضل" کو کہ جو خود مؤلف کے مطابق ۷۴۳ ھ ق "زہجرت بود ہفتصد باسہ و چل"(۸) میں استاد آباد دکن میں مکمل کی ظاہراً یہ ہند و پاک میں دوسری لغت شمار کی جاتی ہے۔ مؤلف کو شعرا سے بھی بہرہ مند ہونا چاہیے اور یہ معنی و مفہوم اس قطعے سے جو کتاب کے آخر میں (۹) اور نیز رشید الدین وطواط کی اس مدح سے بھی حاصل ہے جو وہ (مؤلف) اپنی کتاب کے مقدمے میں لایا ہے۔(۱۰)

کتاب دستور الافاضل الفبائی ترتیب میں ہے لیکن ہر باب میں کلمے کا صرف پہلا حرف مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس لغت پر فرہنگ قواس کے اثرات مکمل طور پر مشہود اور ظاہر ہیں۔ دونوں میں بعض معانی و مطالب کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ اثر بخوبی نمایاں ہو جاتا ہے۔

فرہنگ قواس میں دیے گئے بعض لغوی مدخل اور ان کے معانی بالکل ویسے کے ویسے لغت دستور الافاضل میں دہرائے گئے ہیں کہ جن میں سے ہم بعض کو نمونے کے طور پر ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان نمونوں میں جملوں میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔

آژیرہ: گل در میان دو خشت (دو اینٹوں کے درمیان گارا)(۱۱)

برغم: وہ شے جس پر شاخ ڈالی جائے(۱۲)

گردنگل: بے شرم بیوقوف اور خوار(۱۳)

Marfat.com

دستور الافاضل کے مؤلف نے فرہنگ قواس سے اس حد تک استفادہ کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ کبھی تو عبارتوں کو عیناً دہرا لیا ہے بلکہ ان کے اشتباہات اور غلطیوں تک کو دہرایا اور نقل کیا ہے۔ بر صغیر میں تالیف ہونے والی اس فرہنگ کو فرہنگِ دستور الافاضل کی تالیف میں بلکہ اس کے بعد وجود میں آنے والی فرہنگوں میں بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ خود دستور الافاضل بھی اپنے بعد تالیف ہونے والی فرہنگوں کا ایک اہم ماخذ رہی ہے مثال کے طور پر فرہنگ اسلامی میں مذکور لفظ پچ جس کے معنی ایسا شخص ہے جس کے منہ سے بات کرتے وقت پانی ٹپکے (۱۴)، فرہنگِ قواس میں (با) کے بجائے (یا) کے ساتھ، پچ نقل ہوا ہے۔ صاحب دستور الافاضل کو فرہنگِ قواس کی اس غلطی کا احساس نہیں ہوا اور اس نے اس لفظ کو (با) سے شروع ہونے والے الفاظ کے بجائے (یا) سے آغاز ہونے والے الفاظ میں ضبط کر دیا ہے۔ (۱۵) اور یہ اثر قاضی خان محمد بدر دہلوی کی ۸۲۲ھ ق میں تالیف کردہ "ادوات الفضلا" اور محمد بن قوام بن رستم کی ۵۹۵ھ ق میں مؤلفہ بحر الفضائل میں بھی مشہود اور ہویدا ہے۔ (۱۶)

ساتویں صدی ہجری میں ہندوپاک میں لغت نویسی کے بانی فخر الدین قواس نے بعد میں تالیف کی جانے والی لغتوں، جن میں فرہنگ زفان گویا و جہان پویا جو ظاہراً ۸۳۷ھ ق سے پہلے تالیف کی گئی تھی (۱۷) شامل ہیں، کی تالیف میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس لغت کا ایک پیش لفظ اور سات ابواب اور ایک تتمہ ہے جبکہ ہر بات کو (گونہ) ذیلی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان ذیلی ابواب کو "بہرہ" "مزید بہرہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور کتاب کی باب، ذیلی باب (گونہ) اور بہرہ (مزید ذیلی ابواب) میں یہی تقسیم بندی فرہنگ زفان گویا پر فرہنگ قواس کے اثرات میں سے ایک ہے، اس اثر کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بدر ابراہیم نے اپنا دیباچہ فرہنگ قواس کی تقلید میں فارسی زبان میں لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ گاہ گاہ دونوں کے متون میں جملوں کی عیناً تکرار کی گئی ہے۔ جن میں سے نمونے کے طور پر ذیل میں بعض عبارتیں درج کی جاتی ہیں۔

۱- یزدان دانا تراست و بزدرستی و نادرستی آن از گمراہی و بی آگاہی

Marfat.com

نگاه داراد(۱۸)

قواس: خدا دانا تر ہے اور اس کی جہالت او رگمراہی کی درستی یا نا درستی پر نگاہ رکھتا ہے (۱۹)

۲- در استوه را برخود بستم و سخن را در سخن پیوستم (۲۰)

(قواس: "دربستوه و استوه را برخودبستم")(۲۱)

۳- پس ہوش و گوش بر آن آرزو بگماشته (۲۲) قواس ہوش و گوش بر آن استوار گماشتند (۲۳)

فرہنگ قواس کے لغت زفان گویا و جہان پویا پر اثر اندازی کو صرف ان چند موارد میں محدود نہیں کیا جا سکتا ہے اور لغت کے متن میں بھی یہ اثر جا جا آشکار ہے۔

مثلاً شال کے مدخل کے ذیل میں وہ لکھتا ہے گلیمی خرد (چھوٹی گدڑی،) اور فخر قواس کہتا ہے (۲۴)"نمدی که زیر برگستوان بکنند" یعنی جل نمد که "در زیر برگستوان کنند" یا مثلاً کلمہ "جفتہ" کے ذیل میں آیا ہے (۲۵) طاق که در بناها کنند (وہ طاق جو بنیادوں میں بنائیں) اور (فرہنگنامہ قواس میں جفتہ طاق انگور آیا ہے)

فرہنگ قواس نے لغت نامہ مدار الافاضل جو اللہ داد فیضی سرہندی کی تالیف کردہ ہے (لغت نامہ) سال ۱۰۰۱ھ ق پر بھی واضح اثرات مرتب کیے ہیں۔ مثلاً دام کے مدخل کے ذیل میں وہ پانچویں باب میں لکھتے ہیں: درختی که برروی آب باشد. (وہ درخت جو پانی کے اوپر ہو (۲۶)

لسان الشعرا ہندوستانی لغتوں میں ایک اور لغت شمار ہوتی ہے جو کہ شہنشاہ ہند سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ - ۷۹۰ ھ ق کے زمانے میں تالیف ہوئی۔ کتاب میں اس کی تالیف کا زمانہ تحریر نہیں کیا گیا ہے لیکن اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ لسان الشعرا کا اصل ماخذ فرہنگ ادات الفضلا ہے اور یہ لغت خود ۸۲۲ میں تالیف ہوئی لہذا لسان الشعراء کی تالیف بھی ۸۲۲ھ ق سے پہلے ہونا چاہیے۔

Marfat.com

اس کتاب کی فیروز شاہی دور حکومت میں تالیف کا ثبوت ایک ۱۸ شعری نظم سے ایک شعر ہے جو یوں ہے:

دعا عاشق چنین گوید شب و روز
جہان تا ہست باداشاہ فیروز (۲۷)

یا

شہ دین شاہ فیروز ! کز احسان
دلت دریاء کف دست تو کان (۲۸)

ہندو پاک کی پہلی لغت فرہنگ قواس نے لسان الشعراء کی تالیف میں بھی بنیادی کردار ادا کیا اور لسان الشعراء کے مؤلف نے اس لغت کے پیش لفظ میں اس لغت کا ذکر یوں خیر و نیکی کیا ہے: "سخنوروں اور نکتہ سنجوں کے خوش طبعیت امیر اسدی طوسی اور مولانا فخر کمانگر" (۲۹) نے ان الفاظ سے مجموعے اور لغات ترتیب دیئے لیکن انہوں نے اسے فصل دار اور مفصل نہیں کیا اور ایسا کام نہیں کیا کہ فوری طور پر مقصد حاصل ہو جائے اور متلاشی اپنی مراد اور منزل کو پہنچ جائے۔ (۳۰)

البتہ لسان الشعرا کے مؤلف کا فرہنگ اسدی کے "مبوب" نہ ہونے کا دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ فرہنگ اسدی قدیم ترین لغت ہونے کے اعتبار سے فارسی زبان کی معتبر اور شاہد دار لغت ہے۔ جب ہم اس کے زمانہ تالیف پر توجہ کرتے ہیں تو یہ نسبتاً مفصل ہے اور ابواب میں بھی تقسیم شدہ ہے اور مقدمہ میں اسدی کے اپنے قول کے مطابق: اس کتاب کی ابتدا حروف تہجی پر رکھی گئی لیکن چند حروف ایسے ہیں جن میں یہ لغت موجود نہیں ہے (۳۱)

لسان الشعرا میں مقدمہ کے علاوہ جگہ جگہ میں فرہنگ قواس کا اثر دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً مدخل پازند کے ذیل میں لکھتا ہے۔
پازند کتاب مغان این معنا مولانا فخر الدین نبشتہ است (۳۲)

Marfat.com

(پازند کے معنی کتاب مغان ہے۔ یہ معنی مولانا فخر الدین نے لکھے ہیں)
اور یا مثلاً لکھتا ہے کناغ بروزن جناغ تار ابریشم. مولانا فخر الدین نبشتہ است (جناغ کے وزن پر کناغ ریشم کا تار۔ مولانا فخر الدین نے لکھا ہے۔ اصل ابریشم یعنی پیلہ [۳۳]۔

فرہنگ جہانگیری ہندوپاک کی لغتوں میں ایک اور ہے جسے میر جمال الدین بن فخر الدین حسن انجو نے تالیف کیا ہے۔ اس نے فرہنگ قواس کے مؤلف سے جو ہندوپاک میں لغت نویسی کے بانی ہیں استفادہ کیا ہے۔ مؤلف پیش لفظ میں لکھتے ہیں "قریب یک قرن کہ مدت سی سال باشد برخی از عمر را صرف تحقیق لغات مصطلحات پارسی و دری و پہلوی می کند [۳۴] یہاں تک کہ ذی القعدہ ۱۰۰۵ ھ ق میں ہندوپاک کے درویش صفت بادشاہ اور بادشاہ نسل درویش جلال الدین محمد اکبر نے دارالحکومت کشمیر میں یہ حکم صادر کیا کہ اس کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جائے۔[۳۵]

میر جمال الدین نے اس زمانے کے مآخذوں کو جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور وہ ہر جگہ سے ایک کتاب اور نسخہ حاصل کرتا تھا۔

وہ مآخذ اور منابع کہ جو مؤلف نے اپنے مقدمے میں نقل کیے' ان میں اس زمانے کے ۴۴ شناخت شدہ لغت موجود ہیں۔ اس پر اضافہ یہ کہ اس کے علاوہ بھی ۹ مجلد ہیں جو بقول مؤلف "اسم کتاب و مصنف آنہا معلوم نہ شد" [۳۶] (کتاب اور ان کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا اور اوپر نیچے ۵۳ ماخذ بنتے ہیں۔

اسی طرح سے مؤلف نے کتاب زند و پازند اور تفاسیر و تواریخ کہ جن کی تفصیل بقول مؤلف باعث تطویل ہوتی' سے اپنی لغت میں استفادہ کیا۔

مؤلف نے مذکورہ لغتوں کے علاوہ ہر مورد میں اپنے خاص ماخذوں سے رجوع کیا مثلاً اگر "شکاری جانوروں" کے بارے میں کوئی کلمہ ہے تو وہ "بازنامہ" سے مراجع کرتا ہے' جو کچھ دواؤں اور امراض سے متعلق ہے اس میں وہ ذخیرہ خوارزمشاہی اور اختیارات بدیعی سے رجوع کرتا ہے اور اگر شہروں اور قصبوں یا دیہات کے بارے میں ہے تو ان میں نزہت

Marfat.com

القلوب اور عجایب البلدان جیسی کتابوں سے رجوع کرتا ہے اور اگر کسی کلمہ کے معنی میں شک کرتا ہے یا ماضی کے لغت نویسوں نے اس میں مسامحہ کیا ہے تو وہ کتاب کے مصنف یا ناظم کے وطن کے رہنے والوں سے اس بارے میں استفسار کرتے یا اس جگہ سے رجوع کرتے یہاں تک کہ وہاں رہائش اختیار کرتے مثلاً حدیقہ سنائی غزنی سے مربوط لغت یا زبان کے متعلق غزنوی کے لوگوں یا ناصر خسرو سے مربوط کلمات کو اہل بدخشان سے پوچھتے اور ان کلمات کو صف اول کے شعرا سے شواہد حاصل کر کے مورد تاکید قرار دیتے۔(۳۷)

میر جمال الدین نے لغتوں کی جو فہرست دی ہے ان میں سے ایک فرہنگ مبارک شاہ غزنوی معروف بہ فخر قواس(۳۸) ہے وہی لغت جو ساتویں صدی میں تألیف ہوئی کہ جس کے بارے میں اس سے پہلے بتایا گیا کہ وہ بعد میں آنے والی لغتوں کے لیے مأخذ بن گئی۔

اگرچہ فرہنگ جہانگیری میں دوسری تمام لغتوں کی طرح کمیاں اور نقائص بھی ہیں لیکن ہند و پاک میں تالیف شدہ لغتوں میں اسے لغت نویسی کی اوج پر سمجھنا چاہیئے۔ یہ لغت بعد میں مطبوعہ لغتوں کی طرف سے مورد تائید قرار پائی۔ یہاں تک کہ صاحب مجمع الفرس یا فرہنگ سروری کے مؤلف کے لیے جب ہندوپاک سے ۱۰۲۸ھ ق میں فرہنگ جہانگیری کا ایک نسخہ لایا گیا تو وہ اپنی لغت کی تکمیل اسی سے کرتا ہے اور اس کی مدد سے مکمل تر تحریر مہیا کرتا ہے۔

سروری نے ۱۶ ماخذوں کے علاوہ، جن سے اس نے اپنی فرہنگ کی تحریر مہیا اور استفادہ کیا ہے، کتاب کے سلسلے میں بھی تقریباً چونتیس دیگر مأخذ سے جن کے ناموں کا ذکر اس نے مقدمہ میں کیا ہے بہرہ برداری کی ہے اور ان کے درمیان ایک تو وہی فرہنگ قواس ہے جو ساتویں صدی میں تالیف کی گئی۔

فرہنگ جہانگیری فرہنگ سروری کی مآخذ ہونے کے علاوہ برہان قاطع کے مأخذ میں سے بھی شمار کی جاتی ہے اور فرہنگ جہانگیری کو ازروئے حقیقت ہندوپاک کی لغت نویسوں کے باب کا اختتام سمجھنا چاہیئے کیونکہ وہ فرہنگیں جو اس کے بعد اس سرزمین میں

Marfat.com

تالیف ہوئیں ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طرح فرہنگ جہانگیری سے بہرہ مند ہوئی۔ یہاں تک کہ فرہنگ نظام کہ جسے ہندوپاک کے آخری فارسی فرہنگ کا لقب دینا چاہیئے ۱۳۴۶ء تا ۱۳۵۸ھ ق میں تالیف ہوئی نے فرہنگ رشید کو بھی فرہنگ جہانگیری سے مختصر طور پر حاصل شدہ سمجھا ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ اس سے قبل ایران میں فارسی کی جن دوسری فرہنگوں مثلاً رودکی سے منسوب تاج المصادر (دیکھئے: کشف الظنون)، فرہنگ قطران، (ملاحظہ ہو: لغت نامہ اسدی): لغت عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ (دیکھیں: الفہرست ابن الندیم)، اور رسالہ ابو حفص (مذکور در فرہنگ سروری و فرہنگ جہانگیری)، کے نام ملتے ہیں، وہ ظاہراً بہ مرور ایام تلف ہو چکی ہیں، اور اب ان کا کوئی وجود باقی نہیں۔

۲۔ ملاحظہ ہو: لغت نامہ اسدی، چاپ اقبال، تہران، ۱۳۱۹ش، ص ۲۔۱

۳۔ ایضاً

۴۔ ملاحظہ ہو: لغت فرس، چاپ ڈاکٹر دبیر سیاقی، دوسرا ایڈیشن، تہران، طہوری ۱۳۵۶ش۔

۵۔ ایضاً

۶۔ قواس سے مراد ہے کمانگر، یعنی کمانیں بنانے والا۔

۷۔ فرہنگ قواس تالیف فخر الدین مبارک شاہ قواس غزنوی، بہ اہتمام پروفیسر نذیر احمد، تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، ۱۳۵۳ش، ص ۳۔۲

۸۔ ایضاً، ذیل "واژہ پرور" اور پروفیسر نذیر احمد کی مربوطہ تعلیقات۔

۹۔ دستور الافاضل بہ اہتمام ڈاکٹر نذیر احمد، تہران، بنیاد فرہنگ، ۱۳۵۲ش، ص ۵۶۔۲

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۱۵۔ لغت فرس اسدی، ص ۲۵

۱۶۔ دستور الافاضل، ص ۲۵۳

۱۷۔ سال ۷۹۵ ہجری کا ذکر مصنف اپنی ایک دوسری کتاب، شرح مخزن الاسرار نظامی گنجوی میں کیا ہے (ملاحظہ ہو

Marfat.com

فرہنگ نویسی فارسی در ہند تالیف در تر شہریار نقوی، تہران، ادارۂ کل نگارش وزارت فرہنگ، ۱۳۱۴ش)، البتہ بحر الفضائل کا سال تالیف پروفیسر نذیر احمد نے فرہنگ قواس کے مقدمہ میں بغیر کسی ماخذ کا ذکر کیے، ۸۳۷ ہجری قمری لکھا ہے۔

۱۸۔ فرہنگ زفان گویا (تالیف بدر ابراہیم، تصحیح و تالیف و ترتیب پروفیسر نذیر احمد، پٹنہ کتاب خانہ خدا بخش) کا سال تالیف دقیقاً معلوم نہیں البتہ اس فرہنگ کا پہلی مرتبہ ذکر فرہنگ بحر الفضائل (تالیف ۸۳۷ ہجری قمری) میں ملتا ہے۔

۱۹۔ زفان گویا: ص ۵

۲۰۔ فرہنگ قواس، ص ۳

۲۱۔ زفان گویا، ص ۵

۲۲۔ فرہنگ قواس، ص ۳

۲۳۔ زفان گویا، ص ۴

۲۴۔ فرہنگ قواس، ص ۲

۲۵۔ زفان گویا، ص ۲۳۱

۲۶۔ زفان گویا، ص ۱۲۶

۲۷۔ مدار الافاضل تالیف الہداد فیض سرہندی، بہ اہتمام دکتر محمد باقر، لاہور، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ص ۲۱۱

۲۸۔ لسان الشعراء، تالیف عاشق، بہ تصحیح پروفیسر نذیر احمد، دھلی نو، رایزنی فرہنگی ایران، ۱۳۷۴ء، ص ۵۶

۲۹۔ ایضاً، ص ۴۵

۳۰۔ فخر کمانگر سے فخر الدین مبارک شاہ قواس غزنوی مراد ہے

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۸۔۵۷

۳۲۔ لغت فرس چاپ دبیر سیاقی، ص ۱

۳۳۔ لسان الشعراء، ص ۱۱۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۳۵۔ فرہنگ جہانگیری تالیف میر جمال الدین حسین بن فخر الدین حسن انجو شیرازی، ویراستہ رحیم عفیفی، مشہد، دانشگاہ مشہد، ۱۳۵۱ش، ص ۳

۳۶۔ ایضاً، ص ۵۔۴

۳۷۔ ایضاً، ص ۸۔۷

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۰

۳۹۔ ایضاً ص ۷، شمارہ ۴۲

Marfat.com

۴۰۔ اس مقالے کی تیاری میں مذکورہ بالا مآخذ کے علاوہ مندرجہ ذیل منابع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے :

* فرہنگ نظام، سید محمد علی داعی الاسلام، در ۵ جلد، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۶۔۵۸ھ،
* برہان قاطع، محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان، بہ اہتمام دکتر محمد معین، تہران، ابن سینا، ۱۳۴۲ش،
* فرہنگ رشیدی، ملا عبدالرشید بن عبدالغفور حسنی مدنی تتوی، بہ اہتمام محمد عباس، تہران، انتشارات بارانی ۱۳۳۷ش۔
* مجمع الفرس (فرہنگ سروری)، محمد قاسم بن حاج سروری کاشانی، بہ کوشش دکتر محمد دبیر سیاقی، تہران، علمی ۱۳۴۱ش،
* فرہنگہائے فارسی و فرہنگ گونہ ہا، بہ اہتمام دکتر محمد دبیر سیاقی، چاپ اول، تہران، انتشارات اسپرک، ۱۳۶۸ش

❖❖❖

Marfat.com

حکیم سنائی غزنوی نعت گو کی حیثیت سے

ڈاکٹر آغا یمین *

ایران کے محقق آقائے مدرس رضوی استاد دانشگاہ تہران نے سنائی غزنوی کا دیوان با مقدمہ و حواشی و فہرست مرتب کیا ہے، انہوں نے اپنے مقدمہ میں سنائی غزنوی کی تاریخ وفات پر بحث کرتے ہوئے تمام تذکرہ نویسوں کی آراء کا حوالہ دیا ہے پھر آخر میں تحقیق کے بعد سنائی کی تاریخ وفات ۵۳۵ھ سے ۵۴۵ ہجری کے درمیان متعین کی ہے :(۱)

اگر مذکورہ بیان درست ہے تو ثابت ہوا سنائی غزنوی حضرت احمد جام ۵۳۶ ہجری کے ہمعصر تھے۔ جس طرح احمد جام نے غزل گوئی کے میدان میں سب سے پہلے "نعت گوئی" کی روایت کی بنیاد ڈالی، اسی طرح سنائی غزنوی نے قصیدہ کے میدان میں سب سے پہلے "نعت گوئی" کی روایت قائم کی۔

اگر ہم ادبیات ایران کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ چھٹی صدی ہجری کے اوائل تک تمام قصیدہ گو مثلاً فرخی (وفات ۴۲۹ھ) اور امیر معزی (۵۲۰ھ) نے اپنے قصائد میں یا تو ضمناً ذکر رسول (ص) کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ براہ راست ذکر محمدؐ یا آل محمدؐ کیا ہے، لیکن قصیدہ کے میدان میں "نعت" باقاعدہ صنف "نعت" کے اعتبار سے نہیں لکھی۔

سنائی غزنوی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے تاریخ ادبیات فارسی میں قصیدے کے میدان میں سب سے پہلے باقاعدہ "نعت گوئی" کا آغاز کیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی سلجوقی دور کے بڑے مثنوی نگاروں میں شامل ہے اور اسدی طوسی اور فخر الدین گرگانی کی طرح اس نے بھی مثنوی حدیقہ میں نہایت التزام کے ساتھ سلاطین سلجوق کی مدح میں قصائد کہنے سے پہلے نہایت زوردار نعتیہ تشبیب بھی کی مثلاً ایک قصیدہ (در مدح فضل

* ۲۱۱- مین سکیم ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم لاہور

Marfat.com

یحییٰ صاعد) سے پہلے بطور تشبیب ایک نعت بھی کہی ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

ای سنائی گر ہمی جوئی زلطف حق ثنا — عقل را قربان کن اندر بارگاہ مصطفیٰ
مصطفیٰ اندر جہان آنگہ کسی گوید کہ عقل — آفتاب اندر فلک آنگہ کسی گوید سہا
در خدای آبادیالی امر و نہی و دین کفر — و احمد مرسل خدای آباد رابس پادشا
رحمۃ للعالمین آمد طبیعت زو طلب — چہ ازین عاصی وز آنعاصی ھمی جوئی شفا
صورت احمدؐ ز آدم بُد دلیل اندر صفت — آدم از احمدؐ پدید آمد چوز آصف برخیا

اور اس تشبیب نعتیہ کا آخری شعر یہ ہے:

مقتدای عالم آمد، مقتدی در دین حق — من غلام مقتدی و خاکپای مقتدا(۲)

اسی طرح سنائی غزنوی کے دیوان میں دیگر قصاید میں بھی نعتیہ تشبیب کی مثالیں موجود ہیں۔ سنائی غزنوی کا کمال یہ ہے کہ اس نے نہ صرف مدیحہ قصاید میں نعتیہ تشبیب سخن کی روایت قائم کی بلکہ تمام تاریخ ادبیات فارسی میں پہلی مرتبہ براہ راست نعتیہ قصاید کی بنیاد بھی ڈالی۔ مثلاً سنائی غزنوی نے ایک قصیدہ مکمل نعت کی صورت میں مندرجہ ذیل عنوان سے اس طرح پیش کیا ہے۔

در مدح و منقبت عقل کل و ہادی سبل و خاتم رسل صلوۃ اللہ علیہ و آلہ گوید

زھی پشت و پناہ ہر دو عالم — سروسالار فرزندان آدم
دلیل راحت، ابراہیم آزر — منادی ملت، عیسیٰؑ مریم
ملایک را بساط از تو منور — رسل را فخر از چون تو مقدم
نبودی گر برایت، گفت ایزد — نہ آدم آفریدی و نہ عالم
میان اولیا، صدری و بدری — میان انبیا مہری و خاتم
بوقت راز گفتن با خداوند — نیامد مر ترا، یک فرد محرم
توئی زی اقربا، درویش ایمن — توئی زی انبیاء، سلطان اعظم
توآن شمسی کہ بر گردون دو خیمہ — کنی منہ را، زھی برھانت محکم

Marfat.com

سپاه و تخت و ملک و گنج بگذاشت　　ز عشقِ راحت، ابراهیمِ ادهم
مرا یاد تو باید بر زبان بس　　سنائی گردد، از یاد تو خرم (۳)

اس نعتیہ قصیدے میں صنف نعت کے تمام اوصاف موجود ہیں اسی طرح سنائی کے دیوان میں نعتیہ قصاید کی اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک اور نعتیہ قصیدہ ملاحظہ ہو:

در نعت خواجہ لولاک و اصحاب پاک او فرماید

روشن آن بدری که کمتر منزلش عالم بود　　خرم آن صدری که قبله اش حضرت اعظم بود
این جهان رخسار او دارد از آن دلبر شده است　　و آنجهان انوار او دارد، از آن خرم بود
راه عقل عاقلان را مهر او مرشد شد است　　درد جان عاشقانرا نطق او مرهم بود
از رخش گردد منور گر همه جنت بود　　وز لبش یابد طهارت گر همه زمزم بود
طلعت جنت زشوق حضرتش پر خوشدست　　دیده دوزخ زرشک خیبتش پرنم بود
از گریبان زمین گر صبح او سر برکشد　　تاشب حشر از جمالش صد سپیده دم بود
حکم الا الله برفرق رسول الله ببین　　راستی زین تکیه گاهی آدمی را کم بود
ماه بر چرخ فلک چون حلقه زلف و رخش　　گاه چون سیمین سپر، گه پاره، معصم بود
باد را گفتم سلیمان را چرا خدمت کنی　　گفت از آن کش نام احمد نقش بر خاتم بود
ای سنائی از ره جان گوی مدح مصطفیٰ　　تاترا سوی سقر برترین 'بسلّم' بود (۴)

سنائی کا ایک اور نعتیہ قصیدہ بعنوان زیر ملاحظہ ہو:

در ستایش و نعت خواجہ دوسرا سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ وسلم گوید۔

چون بصحرا شد جمال سید کون از عدم　　جاه کسرا زد بعالمهای عزل اندر قدم
چون نقاب از چهره ایمان بر اندازد زند　　خیمه ادبار خود کفر از خجالت در ظلم
آفتاب کلِ مخلوقات، آنکه از بهر جاه　　یاد کرد ایزد بجان او بقرآن در، قسم
بر سریر چرخ گردان، جاه او بینی نشان　　بر نهادِ عرش یزدان، نام او بینی رقم
رایت "نصر من الله" چون بر آمد از عرب　　آتش اندر زد بجان شهریاران عجم

Marfat.com

چرخ اعظم آمدہ پیش قیامش در رکوع
ہچو لاشد سرنگون آنکس کہ او را گفت "لا"
از دم صمصام و رمح چاکران خویش کرد
سرور ہر دو جہان و کارساز حشر و نشر
در سخن جز نام او گفتن خطا باشد خطا
ای سنائی جز مدیح این چنین سید مگوی

طارم کسریٰ از او کسرو زجاہ او بخم
وز سعادت با نعم شد آنکہ گفت او را "نعم"
ہم عجم را الی ملوک و ہم عرب را لی صنم
آفتاب دین محمدؐ سید عالی ہمم
در ہنر جز نعت او گفتن ستم باشد ستم
تا توانی جز بنام نیک او مگشای دم(۲)

اگر ہم سنائی غزنوی کے مذکورہ نعتیہ قصیدہ کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ایران کے سلجوقی دور میں شاہنشاہیت کا تصور بالکل ختم ہو چکا تھا اس کے برعکس رایت نصر من اللہ کا تصور چھا چکا تھا، جب مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی مدد بتوسل محمدؐ عربی شامل حال ہوئی تو قصر کسریٰ اور جاہ و جلال کسروی ایران میں ختم ہو گئے۔ ایران کی سرزمین میں جس نے بھی دین محمدیؐ سے انکار کیا وہ خود ختم ہو گیا اور جس نے بھی اسے قبول کیا وہ فکر اسلامی کی سعادت سے مالا مال ہو گیا۔

سنائی کا یہ نعتیہ قصیدہ ایک طرف رسول اکرمؐ کی مدح کرتا ہے تو دوسری طرف اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ ایران کی سرزمین میں سلجوقی دور میں فکر اسلامی کا استیلا کس تیزی سے ہو رہا تھا۔

اسی سلجوقی دور میں ہمیں سب سے پہلے مثنوی میں نعت گوئی کی روایت اسدی طوسی کی مثنوی گرشاسپنامہ میں اور فخر الدین اسعد گرگانی کی مثنوی ویس و رامین میں ملتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے دو مثنوی نگاروں نے ظہور اسلام سے پہلے کے بادشاہوں اور رومانی داستانوں کو منظوم کر کے مثنویاں کہی تھیں۔ لہذا مثنوی کے میدان میں بھی سنائی غزنوی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا غیر اسلامی داستانوں کی بجائے اسلامی تصوف کے فلسفہ پر مبنی عرفانی مثنوی بعنوان حدیقہ الحقیقہ و شریعۃ الطریقہ منظوم کی، جس کے آغاز میں حمد و ثنا کے بعد باقاعدہ نعت بعنوان زیر اس طرح منظوم کی اس کے منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

Marfat.com

ذکر الانبیا خیر من حدیث الجہلا

ای سنائی چو بر گرفتی کلک　　دُرّ معنی کشیدی اندر سلک
چون بگفتی سنائی حق اول　　پس بگو نعت احمدؐ مرسل
چون ز توحید گفتہ شد طرفی　　گفت خواھم، ز انبیاء شرفی
خاصہ نعت رسولؐ باز پسین　　آن ز پیغمبران بہین و گزین
احمد مرسل آن چراغ جہان　　رحمتِ عالم آشکار و نہان
آمد اندر جہاں، جان ہر کس　　جانِ جانہا، محمدؐ آمد و بس
چون بخندید بر سپہر جلی　　آفتاب سعادت ازلی
آن سپہرش، چہ بارگاہِ ازل　　آفتابش کہ احمدِ مرسل
شرع او را فلک مسلم کرد　　خانہ بربام چرخ اعظم کرد
اندر آمد ببارگاہ خدای　　دامن خواجگی کشان در پای
او سری بود و عقل گردن او　　او دلی بود و انبیاء تن او (۷)

اس میں شک نہیں کہ غزل کے میدان میں تمام تاریخ ادبیات فارسی میں جس شاعر نے سب سے پہلے نعتیہ غزل کہی وہ حضرت احمد جام ژندہ پیل ہیں ان نعتیہ غزلیات میں جو رسول اکرمؐ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ یا تو قرآن کے حوالوں سے مثلاً جیسا کہ طٰہٰ و یٰسین سے قرآن میں خدا نے خود رسول اکرمؐ سے خطاب کیا یا خالص اسلامی تصوف کے زیر اثر مثلاً خود رسول اکرمؐ کی حدیث الفقر فخری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نعتیہ اشعار میں ڈھلے ہیں لیکن سنائی غزنوی نعتیہ غزل کے میدان مین ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے عشق رسولؐ کے جذبے سے سرشار عشقیہ تشبیہات و استعارات کی روایت کی بنیاد ڈالی اور اس طرح نعتیہ غزل میں عشقیہ تشبیہات و استعارات کی یہ روایت سلجوقی دور میں سنائی سے لے کر تیموری دور کے آخر تک مولانا عبدالرحمٰن جامی کے زمانے تک بلکہ اس سے بھی آگے تک جاری رہی۔
ویسے تو دیوان سنائی میں ایسی نعتیہ غزلوں کی کمی نہیں البتہ یہاں محض مثال کے طور پر ایک

Marfat.com

ایسی نعتیہ غزل کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

ای صنم در دلبری ہم دست وہم دستان تراست
بر دل و جان پادشاہی ہم دل و ہم جان تراست

ہم حیات از لب نمودن ہم شفا از رخ چو حور
بادم عیسیٰ و دست، موسیٰ عمران تراست

در سر زلفت نشان از ظلمت اہر یمن است
بر دو رخ از نور یزدان حجت و برہان تراست

از جمال و از بہایت خیرہ گردد سرو و مہ
سروی بستان تو داری، ماہ ئی کیوان تراست

گر من از حورای جنت یاد نارم شایدم
کانچہ حور العین جنت داشت، صد چندان تراست

از ہمہ خوبانِ عالم گوی بردی شاد باش
داوری حاجت نیاید ای صنم فرمان تراست

درہمہ حالی سنائی چاکر و مولای تست،
گر برانی ور بخوانی، ای صنم فرمان تراست (۸)

مذکورہ نعتیہ غزل میں آپ نے دیکھا کہ سنائی جذبہ عشق رسول میں آکر رسول اکرم (ص) کو اپنا محبوب تصور کرتے ہوئے صنم سے خطاب کرتا ہے، کبھی زلف محمدی کو ظلمت اہر یمن سے کبھی رخسار محمدؐی کو نور یزدان سے تعبیر کرتا ہے، کبھی حسن و جمال میں سروی بستان اور ماہ ئی کیوان سے تشبیہ دیتا ہے اور آخر میں اپنے آپ کو رسول اکرم کا نوکر چاکر گردانتے ہوئے خود کو رسول اکرمؐ کے حوالے کر ڈالتا ہے اور گر برانی ور بخوانی کہہ کر فرمان محمدی کا منتظر ہے۔

جس طرح سنائی نے فارسی نعتیہ غزل میں عشقیہ تشبیہات واستعارات کی روایت کی بنیاد ڈالی، اسی طرح اس نے نعتیہ رباعی میں بھی عشقیہ تشبیہات واستعارات کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ سنائی سے پہلے حضرت ابو سعید ابوالخیر نے رباعیات میں ذکر محمدؐ تو کیا ہے لیکن ان رباعیات میں سادہ بیانی ہے۔ نہ تو کسی علامت نگاری سے کام لیا گیا ہے اور نہ تشبیہات واستعارات میں بات کی گئی ہے جبکہ سنائی نے تشبیہات واستعارات کے علاوہ نعتیہ رباعی میں علامت نگاری سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل رباعیات میں سنائی غزنوی نے رسول اللہ (ع) کی ذات گرامی کو ایک عالمگیر محبوب کی علامت کی صورت میں پیش کرتے ہوئے جذبہ عشق محمدی کا اسطرح اظہار کیا ہے:

Marfat.com

رباعی در عشق رسولؐ

خورشید بزیر دام معشوقہ ماست مہ باہمہ حسن نام معشوقہ ماست
امروز جہان بکامِ معشوقہ ماست عالم ہمہ بانگ و نامِ معشوقہ ماست (۹)

ایضاً

آنی کہ قرار با تو باشد مارا مجلس چو بہار بات و باشد مارا
ہر چند بسی بجرد سر برگردم آخر سروکار، باتو باشد مارا (۱۰)

ایضاً

لی تیر غمت، پشت کمان، دارم من دادم بتو دل، ترا چو جان دارم من
پیش تو اگرچہ برزمین دارم پای دستی زغمت، بر آسمان دارم من (۱۱)

ایضاً

خوشنودی تو، بجویم ، ای مولائی خشنودی تو مرا، بہ از بینائی
چون شمع اگر سرم، زتن بربائی ھمچون قلم، آن کنم، کہ تو فرمائی (۱۲)

ایضاً

مندرجہ بالا نعتیہ رباعیات میں معشوقہ ما، آنی، بی تیر غمت اور ای مولائی سے مراد رسول اکرمؐ کی ذات گرامی ہے جسے سنائی نے مذکورہ علامتوں میں منظوم کیا ہے۔ لہذا نعتیہ رباعی میں بھی سنائی مذکورہ علامت نگاری کا بانی نظر آتا ہے۔ آخری رباعی تو عشق رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بہترین مثال ہے۔

ترکیب بند کی صورت میں سنائی کی یہ نعت ملاحظہ ہو۔ بطور نمونہ اس کے محض ایک دو بند درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ دراصل سنائی غزنوی نے سورۂ والضحیٰ کی تضمین و تشریح فارسی ترکیب بند میں اسطرح کی ہے:

Marfat.com

در تفسیر سورہ الضحیٰ

کفر و ایمان را ہم اندر تیرگی ہم در صفا　　نیست دار الملک جز رخسار و زلف مصطفیٰ
موی و رویش گر بصحرا آوردی قہر و لطف　　کفری بی برگ ماندستی و ایمان بی نوا
نسخہ جبر و قدر در شکل روی موی اوست　　این ز و اللیل شو معلوم آن از و الضحیٰ

والضحی و اللیل اذا سجی ما ودعک ربک و ماقلی

کای محمد این جہان و آنجہانی نیستی　　لا جرم اینجا نداری صدر و آنجا متکا
رحمت کردہ اند این ہر دو تا از گرد نعل　　این جہان را دیدہ باشی، آنجہا نرا توتیا
زان فرستادیمت، اینجا روی عاطفت　　عافیت را ہمچو استادان، در آموزی شفا

وللآخرة خيرلك من الاولىٰ (۱۳)

مختصر یہ کہ اس نعتیہ ترکیب بند میں سنائی غزنوی نے سورہ والضحیٰ کی تفسیر منظوم کرتے ہوئے قرآن کا حوالہ دے کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ نعت رسول ایک انسان کیا کہہ سکے گا، جہاں خود خدائے ذوالجلال نے سورہ والضحیٰ میں رسول اکرمؐ کی زلف کو کفر سے اور رخسار مبارک کو نور ایمان سے تعبیر کر کے نعت کہی ہے۔ نعت گوئی کی روایت پہلے خود خدا نے شروع کی بعد میں انسانوں نے اسے عربی، فارسی اور پھر دنیا کی ہر زبان میں ہمیشہ کے لیے جاری کیا۔

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام تاریخ ادبیات فارسی میں سنائی غزنوی ہی وہ پہلا شاعر ہے جس نے شاعری کی تمام اصناف سخن مثلاً مثنوی، رباعی اور غزل میں نہ صرف نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا، بلکہ قصیدہ اور ترکیب بند کی اصناف سخن میں بھی مکمل طور پر فنی اعتبار سے نعت گوئی کی صنف کی بنیاد ڈالی۔

Marfat.com

منابع

(۱) مدرس رضوی، *دیوان سنائی غزنوی*، کتابخانہ ابن سینا، تہران، ۱۳۴۱ش، ص مقدمہ (لا)
۲- ایضاً، ص ۳۵-۴۵
۳- ایضاً، ص ۳۷۸-۳۷۶
۴- ایضاً، ص ۱۶۷-۱۶۵
۵- ایضاً، ص ۱۲-۳
۶- ایضاً، ص ۳۶۵-۳۶۲
۷- *حدیقۃ الحقیقہ* باہتمام مولوی ابوالحسن، مطبع نولکشور، ص ۱۸۵-۱۸۱
۸- *دیوان سنائی*، ص ۸۱۲-۸۱۳
۹- ایضاً، ص ۳۴-۳۵
۱۰- ایضاً، ص ۱۱۰۸
۱۱- ایضاً، ص ۱۱۶۳
۱۲- ایضاً، ص ۱۱۶۹
۱۳- ایضاً، ص ۳۵-۳۴

❖❖❖

Marfat.com

جمیل بیگ خٹک کی فارسی خدمات

میاں وکیل شاہ فقیر خیل *

پشتو زبان کی تاریخ میں خوشحال خان خٹک (۱۰۲۲ھ-۱۱۰۰ھ) کے خاندان کو اپنی بے پایاں خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے اہم مقام حاصل ہے، اگر ایک طرف اس خاندان کے بڑے بڑے نازک خیال شعراء اور نکتہ سنج ادباء نے پشتو ادب کو چار چاند لگائے تو دوسری طرف انہوں نے فارسی شعر اور نثر میں بھی خوب طبع آزمائی کی ہے۔ اسی طرح سلاطین وقت کے ساتھ تعلقات اور امارت و سرداری کے مناصب پر فائز ہونے کے باوجود تصوف اور سلوک کے میدان میں بھی قابل قدر اور قابل فخر کردار ادا کیا۔ اس خاندان میں بہت سے عظیم پاک باز علماء اور صوفیا پیدا ہوئے، جو قطبیت اور غوثیت جیسے بڑے درجوں پر فائز تھے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

خوشحال خان خٹک کے والد ماجد شہباز خان خٹک بھی (۱۰۰۰ھ-۱۰۵۰ھ) سرداری اور امارت کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ دین سے بھی خاص لگاؤ رکھتے تھے اور قبیلہ کے مشہور بزرگ و قطب حضرت شیخ رحمکار افغان خٹک کے خاص معتقدین میں شمار ہوتے تھے۔

شہباز خان کے بعد ان کے بیٹے خوشحال خان خٹک اور جمیل بیگ اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر اسی آستانہ سے فیض حاصل کرتے رہے۔ شہباز خان خٹک کی وفات کے بعد سرداری اور امارت خوشحال خان خٹک کے حوالے کی گئی۔

شہباز خان خٹک کے دوسرے بیٹے جمیل خان خٹک (۱۰۲۷ھ-۱۱۱۶ھ) تھے، جن کو جمیل بیگ، جمال خان، خواجہ جمال الدین اور شیخ جمال الدین کے مختلف ناموں سے مورخین نے اپنی کتابوں میں یاد کیا ہے اور بیگ کا لفظ مغل حکمرانوں نے اس خاندان کے امراء

* پشاور یونیورسٹی، پشاور

Marfat.com

کو دیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کا نام جمیل بیگ لکھا ہے حالانکہ تصانیف میں اپنا نام صرف جمیل لکھتے ہیں۔

تاریخ خانجہانی مخزن افغانی، حیات افغانی، تاریخ خورشید جہان، تاریخ پشتون، تاریخ پشاور، میں ان کا نام جمال خان لکھا ہے اور مجمع البرکات فارسی میں سید عبداللہ نے ان کے حالات خواجہ جمال الدین اور شیخ جمال الدین کے نام سے قلمبند کیے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی نام جمیل خان تھا' اپنی فارسی تحریروں میں انہوں نے یہی نام استعمال کیا ہے جبکہ پشتو میں انہوں نے جمال خان کے نام سے شاعری کی ہے اور تصوف اور سلوک کی دنیا میں وہ جمال الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔

جمیل بیگ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بڑی شاہانہ زندگی کے مالک تھے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ جنگوں میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ لیکن پھر اچانک آپ کے حالات میں تبدیلی آئی اور آپ امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور جاہ و جلال کی زندگی کو چھوڑ کر رضائے الٰہی کے حصول کی تلاش میں نکل پڑے اور حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب کی صحبت میں شامل ہو گئے' یہاں تک کہ غوثیت اور قطب الاقطاب کے درجوں پر فائز ہوئے۔ تصوف میں آپ چشتیہ، سہروردیہ، اویسیہ سے متعلق تھے۔ شیخ رحمکارؒ کے خلفاء میں خلیفہ اول شمار ہوتے تھے۔

شیخ رحمکار نے از راہ محبت جمیل بیگ کو "فقیر" کہہ کر مخاطب کیا' چنانچہ "فقیر" کے نام سے مشہور ہو گئے اور ابتک فقیر صاحب اور فقیر بابا کے نام ہی سے یاد کیے جاتے ہیں۔

تاریخ مرجع میں افضل خان خٹک اور مناقب فقیر جمیل بیگ میں میاں شمس الدین کاکا خیل نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اکوڑہ خٹک کے ریلوے سٹیشن سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب کی جانب پہاڑوں کے درمیان چشتی نامی جگہ پر سکونت اختیار کی اور روز و شب عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے اور اپنی پدری جائیداد کا جو حصہ وراثت میں آپ کو ملا تھا اس سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتے، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے، آپ نے آخر تک سخاوت میں اپنے خاندان کی روایات کو برقرار رکھا۔

Marfat.com

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی سے کبھی غفلت نہ برتی۔

عبدالرشید اپنی تصنیف صوفیائے خٹک میں لکھتے ہیں:

آپ کی تحریک کے دو رخ تھے یعنی علم باطنی اور علم ظاہری کی ترویج، آپ نے اس طرح سے کی کہ قرآن و حدیث کے درس کے انتظامات فرمائے، اپنے ان تمام مریدوں کو جو قرآن فہمی اور حدیث سے شغف رکھتے تھے حکم دیا کہ آپ اپنے علاقے میں اس کا باقاعدہ انتظام کریں اور وہ بھی اس طرح کہ معاشرتی مسائل پر زیادہ توجہ دیں۔ آپ ہر مرید کے لیے ضروری قرار دیتے تھے کہ وہ سورہ فرقان اور سورہ حجرات کی تفسیر سیکھے اور اس کی روشنی میں لوگوں کی اصلاح کرے۔۔۔ حضرت فقیر بابا کے مریدین قریہ قریہ جا کر لوگوں کو باہمی محبت، یگانگت، بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کا درس دیتے اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں نفرت و کدورت کے جو بیج پروان چڑھ رہے تھے، انہیں ان پاکیزہ شخصیتوں نے اپنے مرشد حضرت فقیر بابا کی رہنمائی سے شجرہ مبارک میں بدل دیا۔(۳)

آپ کے بہت سے مرید تھے جن میں سے حضرت شیخ یحیٰ اٹک حضرت جی بابا بڑے مشہور ہیں۔ آپ کی چار بیویاں تھیں۔ جن سے چودہ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے اکثر عالم، شاعر، بزرگ اور صاحب کشف و کرامات گزرے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے فقیر محمد صدیق آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ وہ ایک صاحب دیوان شاعر تھے۔ افغانستان میں "دیوان صدیق" کے نام سے پشتو میں ان کا ضخیم دیوان طبع ہو چکا ہے۔ آپ کے دوسرے بیٹے محمد ابراہیم بھی شاعر اور عالم تھے۔

اس اولاد سے جو سلسلہ شروع ہوا۔ وہ اب ایک بڑے خاندان کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جو "فقیر خیل میاں گان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور پشاور سے لے کر چترال تک آباد ہے۔ جمیل بیگ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عالم اور فقیہ بھی تھے۔ مسجد کے ساتھ خلوت خانہ تھا، نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے اور پھر اپنے خلوت خانے میں ذکر اور عبادت میں مشغول رہتے۔ مریدین کا ایک بڑا حلقہ ہر وقت آپ کی خدمت میں موجود رہتا۔

Marfat.com

مغلیہ دور میں فارسی زبان کا بڑا چرچا تھا۔ اس زمانے میں فارسی کو قومی زبان کا درجہ حاصل تھا۔ چونکہ خوشحال خان خٹک کا خاندان بھی اسی دور سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان کے صاحبزادے جمیل بیگ اور ان کے بیٹوں نے پشتو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی بہت خوب صورت شعر اور نثر لکھی ہے۔

جمیل بیگ نے عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ تالیف و تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی چھ تصانیف شمس العارفین، قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین، سراج العاشقین، خلاصۃ الطالبین اور تحفۃ المقربین کا تاریخ مرصع میں افضل خان خٹک اور مجمع البرکات میں سید عبداللہ شاہ نے ذکر کیا ہے۔(۵)

فقیر جمیل بیگ کی تین اور فارسی کتابوں، دل تذکرۃ الاولیاء نور محمدیہ اور مناقب شیخ رحمکار دستیاب ہیں، یہاں ان کتابوں کے بارے میں تفصیل سے ذکر کرنا مناسب ہوگا تاکہ جمیل بیگ کے علم و فضل اور فارسی ادب کے ساتھ ان کے لگاؤ اور فارسی زبان پر ان کی دسترس کے بارے میں قارئین کو معلوم ہو جائے۔

دل تذکرۃ الاولیاء

یہ کتاب دراصل فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء کا انتخاب اور خلاصہ ہے۔ اس میں ستر متقدمین مشائخ کبار کے اقوال و حالات درج ہیں۔ یہ کتاب تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جمیل بیگ نے اس کتاب کی ابتداء میں اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ رحمکار کے حالات، اخلاق و عادات اور روزمرہ کے معمولات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں شمائل نبوی کا بیان اور چند ماثورہ دعاؤں اور اذکار کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے جسے حال ہی میں پشتو میں ترجمہ کر کے پشتو اکیڈمی نے طبع کیا ہے۔

اس کتاب کے سبب تالیف اور اپنے نام و نسب اور اپنے پیر طریقت کے بارے میں جمیل بیگ لکھتے ہیں :

Marfat.com

"این کتاب نوشته شد از نفس تذکرة الاولیاء و این کتاب را "دل تذکرة الاولیاء" نام کرده شد چنانچه سوره یاسین دل فرقان است۔

تا اہل خسران روزگار اہل دولت را فراموش نه کنند و گوشه نشینان و خلوت گرفتگان را طلب کنند و برایشان رغبت نمایند تا در نعیم دولت ایشان به سعادت ابدی پیوسته گردند و نام کاتب این کتاب جمیل بن شہباز افغان خٹک مرید شیخ رحمکارؒ خٹک است۔"(۲)

جمیل بیگ کو اولیاء اور صلحاء سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ مشائخ طریقت اور صوفیائے کرام کے اقوال وملفوظات کے بارے میں اس کتاب میں فرماتے ہیں:

" چون از قرآن و احادیث گذشته هیچ سخن بالای [سخن] مشائخ طریقت نیست رحمہم الله تعالیٰ که سخن ایشان نتیجه کار و حال است نه ثمره، حفظ و قال [سخن] از عیان است نه از بیان و از اسرار است نه از تکرار و از علم لدنی است نه از علم کسبی و از جوشیدن است نه از کوشیدن و از علم " ادبنی ربی" است، نه از جہان " علمنی ربی"است. ایشان ورثه انبیاء اند صلوات الله علیہم اجمعین۔"

ترجمہ:

قرآن وحدیث کے بعد مشائخ طریقت کی باتوں سے بہتر کلام دوسرا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی بات کام اور حال کا نتیجہ ہے نہ کہ حفظ و قال کا ثمرہ اور عیان سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ بیان سے، اور اسرار میں سے ہے نہ کہ تکرار میں سے، اور علم لدنی سے ہوتی ہے نہ کہ علم کسبی سے، اور جذبہ سے اس کا تعلق ہے نہ کہ کوشش سے، اور علم میں "ادبنی ربی" کے ساتھ اس کا تعلق ہے نہ کہ زمرہ " علمنی ربی" کے ساتھ، یہ لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔۔۔

Marfat.com

۲۔نور محمدیہ :

یہ کتاب چند رسائل کا مجموعہ ہے اور تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ عالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ جس سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہے۔

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم بالخیر، الحمدلله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی رسوله محمد وآله اجمعین، "حمد بے حد و شکر و سپاس آفریدگار جهان را بعدد ستارگان و ریگ بیابان و قطره ہائے باران و درود و صلوة بی حد ، و تحیات بی عدد پاک برجان محمد مصطفیٰؐ و اصحابهٗ"

کتاب کا سبب تالیف :

کاتب این کتاب (مجموعه) را فقیر جمیل نوشته است از برای خود و از برای ہمه مؤمنان مردان و زنان تا ہر که این کتاب را خواند و عمل کند ایمان و اعتقاد او و عمل او در ہر دوجہاں سلامت باشد و در حفظ وامان خدای تعالیٰ باشد والله اعلم باالصواب۔ واسم این کتاب (مجموعه) نہاده شد۔ نور محمدیهٗ و سیف اسلام و ظفر مؤمنان اہل سنت و جماعت ، کتاب مذکور مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ کرتی ہے :

بیان شناختن باری تعالیٰ، بیان فضلیت اخلاص، بیان کلمه طیبه، بیان حق ہمسایه، بیان عالم عامل، بیان عقوبت خمر خواران، بیان ذکر و ثواب ذکر، بیان عذاب خرام، بیان علم بیان، صفت رسول الله (ص)، بیان فضیلت درود، بیان عقوبت تارک الصلوة، بیان عالم مؤمن، بیان توبه، بیان فرقہای مختلفه، بیان ملت اسلام،

Marfat.com

بیان عالم بی عمل، بیان ثواب تسمیه گفتن، بیان فضیلت اسماء خدا تعالیٰ، بیان فضیلت تلاوت قرآن مجید، بیان آزردن پدر و مادر، بیان عقوبت غیبت، بیان فضیلت حلال، بیان الفاظ کفر، بیان عالم منافق۔

کتاب کے آخر میں درج ذیل عبارت مرقوم ہے:

تمت، تمام شد کتاب نور محمدیه(ص) از تصنیفات قطب الاقطاب مولانا فقیر جمیل بیگ قدس سره العزیز. اتمام انجامید بدستخط فقیر حقیر پر تقصیرولی محمد پسر غلام محمد مرحوم غفرالله یکی از نواسه های خوشحال بیگ و جمیل بیگ رحمهم الله اجمعین . آمین رب العالمین . بوقت چاشت بتاریخ غره ربیع الاول ۱۲۸۷ ہر کسی خواند به دعای خیر یاد و شاد فرماید.

فقیر جمیل بیگ حق گو اور بے باک عالم تھے۔ آپ نے اولیاء اللہ اور اولیا الشیطان کے درمیان فرق "نور محمدیہ" میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اولیاء آنست که موافق شرع باشد عمل ایشان به آیات الله و کلام الله حدیث پیغمبرؐ و فقه و بقول اماماں باشد و آن طایفه ها که غیر شرع باشد از آن طایفه ها دور باشند . هو الرحیم.

ترجمہ:

اولیاء وہ ہوتے ہیں جو شریعت کے موافق ہوں اور ان کا عمل کتاب اللہ حدیث نبویؐ علم فقہ اور ائمہ کرام کے اقوال پر ہوتا ہے اور وہ گروہ جو شریعت کے خلاف ہیں ان سے دور رہیں۔

اسی طرح نور محمدیہ میں تقویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

تقوی به سه نوع است اول تقوی شریعت، دوم تقوی طریقت و سوم تقوی حقیقت، تقوی شریعت آنست که از معصیت به پرہیزد و تقوی

Marfat.com

طریقت آنست که از غفلت به پرہیزد و تقوی حقیقت آنست که از ماسوی الله به پرہیزد۔

ترجمہ:

تقوی کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تقوی شریعت، دوسری قسم تقوئی طریقت اور تیسری قسم تقوئی حقیقت۔ شریعت کا تقوئی یہ ہے کہ آدمی گناہ سے پرہیز کرے۔ طریقت کا تقوی یہ ہے کہ غفلت سے پرہیز کرے۔ حقیقت کا تقوئی یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے پرہیز کرے۔

مناقب شیخ رحمکارؒ

اس کتاب کا قلمی نسخہ افغانستان کے آرشیو ملی میں بہ شمارہ ۱۔۱۹ موجود ہے اس کے علاوہ شعبہ تاریخ و فلسفہ کابل یونیورسٹی کی طرف سے ۱۳۶۵ھ۔ش مطابق ۱۹۸۶ء افغانستان کے محقق اسد اللہ شعور کے تعلیقات و مقدمہ کے ساتھ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں تاریخ مرصع میں افضل خان خٹک نے بھی لکھا ہے کہ فقیر جمیل بیگ نے ایک کتاب فارسی میں لکھی ہے، جس میں آپ نے اپنے پیرومرشد کے حالات، کرامات، معمولات روزمرہ اخلاق و عادات مفصل انداز میں لکھے ہیں جس کا پشتو ترجمہ (تاریخ مرصع) میں افضل خان خٹک پسر اشرف خان خٹک بن خوشحال خان خٹک نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۰۳ میں نواسہ مشترک نے کتابت کی۔ نواسہ مشترک سے مراد قیاس الدین پسر شیخ ضیاء الدین شہید ہوتے ہیں۔ جو ضیاء الدین حضرت شیخ رحمکارؒ کے فرزند ہیں اور خوشحال خان خٹک کے داماد تھے۔ اسی بناء پر نواسہء مشترک کہلائے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ شیخ رحمکارؒ نے جمیل بیگ کو "فقیر" کا خطاب دیا تھا اس کے بارے میں اس کتاب میں لکھتے ہیں:

و مرشدم مرا فقیر خواند۔ ہمین نام جاری شدہ بر من۔ و بعد چند سال مرا وجد حاصل شد،

Marfat.com

گفتند کہ دیوانہ شد، مرشدم گفت "ای کاش کہ "اگر ہم چنین یک دو دیوانہ دیگر ہم بودی(۱۳)۔

اپنے مرشد شیخ رحمکارؒ کا تذکرہ بہت خوبصورت اور عمدہ انداز میں کرتے ہیں:

و آن زاہد از دنیا و از اہل دنیا بگوشہ نشینئی ظاہر و باطن و آن عابد مجاہد بریاضت آرام گرفت زیرا آن عالم بی نقصان و آن عامل تحقیق و آن مخلص کل اخلاص و آن رضوی حقیقت باکمال یافتہ و آن روی بہ قبلہ حقیقت باکمال آوردہ و آن متوکل تمام روی قفاء و آن صادق صدیق و آن قانع صبور و آن برضای حق تعالیٰ شکور و آن عالم ربانی و آن کامل مکمل و آن صاحب نظر و آن آفتاب پنہان و آن مخلص متقی و آن مقتدای مقتدی و آن شمع سابقان و آن صبح صادقان و آن فقیر غنی شیخ رحمکارؒ خٹک رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ العزیز۔(۸)

صاحب کشف و کرامات قطب الاقطاب فقیر جمیل بیگؒ کے بارے میں علماء محققین اور مؤرخین نے بہت کچھ علمی انداز میں لکھا ہے مثلاً مجمع البرکات از سید عبداللہ شاہ مناقب فقیر جمیل بیگ از شمس الدین کاکاخیل، زیست و روزگار فقیر جمیل بیگ از ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک، ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، مقامات قطبیہ از شیخ عبدالحلیم اور بہت سی کتابیں جن میں فقیر جمیل بیگؒ کے حالات اور مناقب درج ہیں۔ جمیل بیگ ۱۱۱۶ھ واصل حق ہوئے مادہ وفات یہ شعر ہے:

چون رفت از جہان این کرامت خدیو
بجز "ق" آمد ز عالم "غریو"

۱۲۱۶-۱۰۰=۱۱۱۶ھ

فقیر جمیل بیگ کا مزار جہانگیرہ سٹیشن سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف "نگاڑو" نامی پہاڑ کے درمیان ایک گاؤں میں پہاڑ کے ٹیلے پر واقع ہے۔ دور

Marfat.com

دور سے عقیدت مند مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ ہر سال ماہ صفر میں عرس ہوتا ہے۔

مآخذ

۱۔مجمع البرکات، خطی، فارسی، از سید عبداللہ شاہ ۱۲۸۵ھ مخطوطے کی نقل کتب خانہ مبارک شاہ فقیر خیل میں موجود ہے۔

۲۔مقامات قطبیہ، فارسی، از عبدالحلیم پسر شیخ رحمکارؒ، مطبوعہ جنرل پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۱۸ھ

۳۔خوشحال خان خٹک، از دوست محمد کامل، مطبوعہ ادارہ اشاعت سرحد پشاور ۱۹۵۱

۴۔تاریخ مرصع پشتو، از افضل خان خٹک، تعلیقات و مقدمہ از دوست محمد کامل یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور

۵۔صوفیائے خٹک از ڈاکٹر عبدالرشید، مطبوعہ اسحاقیہ پرنٹنگ پریس کراچی، ۱۹۸۶ء

۶۔مناقب فقیر جمیل بیگ، از میاں شمس الدین کاکاخیل، پشتو منظوم، مطبوعہ انجمن اتحاد فقیر خیل چشتی با مقدمہ میاں فردوس شاہ فقیر خیل، ۱۹۷۹ء۔

۷۔مناقب شیخ رحمکارؒ، فارسی، از جمیل بیگ، تعلیقات و مقدمہ اسد اللہ شعور، مطبوعہ کابل یونیورسٹی ۱۳۶۵ھ۔ش۔

۸۔سول تذکرۃ الاولیاء، فارسی، خطی، از فقیر جمیل بیگ، کتب خانہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔

۹۔نور محمدیہ، فارسی، خطی، از فقیر جمیل بیگ در کتب خانہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔

۱۰۔تذکرہ شیخ رحمکار، اردو، از مفتی سیاح الدین کاکاخیل مرحوم، مطبوعہ پنجاب الیکٹرک پریس لائلپور۔

۱۱۔شجرہ نسب فقیر خیل میاں گان، از میاں فردوس شاہ فقیر خیل، مطبوعہ ۱۹۹۲ء۔

۱۲۔زیست روزگار، فقیر جمیل بیگ، پشتو، از ڈاکٹر راج ولی شاہ، مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔

***

Marfat.com

بیاضِ صائب
(نسخۂ شبلی)

ڈاکٹر رفیع کاظمی*

عہد مغلیہ میں دورِ اکبری کو ہندوستان میں فارسی ادب کا زرین دور کہا جاتا ہے۔ ایران میں صفوی دور تھا اور حکومت کا مسلک شیعہ اثنا عشری تھا۔ علماء کا اس درجہ غلبہ تھا کہ بادشاہ یک گونہ مفلوج تھا۔ علماء کے ایماء پر ایران میں مروجہ شاعری پر پابندی عائد کر دی گئی۔ صرف وہ شاعری جائز قرار پائی جس کا تعلق مسلک جعفریہ سے ہو یعنی آئمہ اور اہلبیت کی منقبت، واقعات کربلات کا ذکر، نوحہ، مرثیہ، واسوخت وغیرہ۔ ان حالات میں بہت کم شعرا ایسی شاعری پر آمادہ ہو سکے۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر سریر آرائے سلطنت تھا۔ علم و اہل علم کی قدردانی اسے وراثت میں ملی تھی۔ اس نے علماء و فضلاء و شعراء و دیگر اہل فن کی ایسی قدردانی کی کہ ایران سے اس طبقہ کے افراد جوق در جوق ہندوستان آنے لگے بیشتر افراد دربار اکبری کے علاوہ امراء اور شاہزادگان کے درباروں سے وابستہ ہوئے ان میں اکبر کے رضاعی بھائی مرزا عزیز، مرزا عبدالرحیم خان خاناں اور شہزادہ سلیم کے درباروں کو خاص فوقیت حاصل تھی۔ شعراء کی کثرت کو دیکھتے ہوئے اکبر نے "ملک الشعراء" کا عہدہ قائم کیا جس پر پہلے غزالی مشہدی اور اسکے بعد فیضی فائز ہوئے۔

مرزا محمد علی صائب اصفہانی اکبر کے آخری دور میں وارد ہند ہوئے، مگر انہیں عہد شاہجہانی میں فروغ ملا۔ اس سے قبل مرزا نے حج کی سعادت حاصل کی اور مشہد مقدس کا سفر اختیار کیا کیونکہ مزاج مذہبی تھا اور طبیعت کو شعر و شاعری سے قدرتی مناسبت تھی۔ شاعری کی باقاعدہ تعلیم حکیم رکنا کاشی اور حکیم شفائی سے حاصل کی۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور مرزا صائب پر ختم ہو گئی۔

* لکھنؤ، ہند۔

Marfat.com

ہندوستان کی فیاضیوں کے غلغلہ سے متاثر ہو کر صائب کے دل میں بھی یہاں آنے کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ خود کہتا ہے۔

ہم چو عزم سفر ہند کہ در ہر دل ہست
رقص سودای تو در ہیچ سری نیست کہ نیست

ہندوستان میں صائب، تیموری امیر ظفر خاں سے منسلک ہو گیا۔ مگر بعد میں ناگزیر حالات کے تحت اسے ایران واپس جانا پڑا۔ سلاطین صفویہ نے بڑی توقیر سے اپنایا بادشاہ عباس ثانی نے صائب کو ملک الشعراء کا خطاب عطا کیا۔ آخر دم تک وہ ایران ہی میں رہا اور وہیں ۱۰۸۰ھ میں اس نے وفات پائی۔

صائب انتہائی زود گو اور پر گو شاعر تھا۔ اس کے اشعار کے تین دیوان بتائے جاتے ہیں مگر اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ اس نے شعرائے قدیم اور متاخرین کا کلام انتخاب کر کے ایک بیاض مرتب کی جو سخندانوں کے لئے دلیل راہ کا کام دیتی ہے۔ مرزا کا مذاق شعری راست اور بلند تھا اس لئے نادر اشعار کا انتخاب کیا۔ جس شاعر کے جتنے بھی اشعار لئے ہیں وہی اس شاعر کے دیوان کا عطر ہے۔ علامہ شبلی نے بیاض کی تین نقول کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حیدر آباد میں جو نسخہ دیکھا اسے مرزا کے ایک عزیز شاگرد نے نہایت اہتمام سے تیار کرایا تھا۔ ہر شاعر کے نام کے ساتھ اس کے اشعار کی تعداد بھی ہندسوں میں لکھ دی۔ آخر میں مختصر سی عبارت ہے جس میں انتخاب کا حال لکھا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس بیاض کے تین نسخے دیکھے جن میں سے ایک خود ان کے کتب خانے میں تھا مقالہ ہذا کا تعلق اسی نسخہ بیاض سے ہے جو علامہ شبلی کی ملک تھا۔

علامہ شبلی کا تعلق عرصہ دراز تک ادارہ ندوۃ العلمائے لکھنو سے رہا ان کی علمی خدمات کا جذبہ تھا کہ اپنا بیشتر علمی سرمایہ ندوہ کو سپرد کر دیا جس کے جواب میں ندوہ کا کتب خانہ انھیں کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ اسی ذخیرہ شبلی میں بیاض صائب بھی ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

۱-بیاض کی لمبائی چوڑائی تقریباً ۲۵×۱۰ سنٹی میٹر ہے۔

Marfat.com

۲- بیاض کے اول اور آخر کے صفحات نہیں ہیں جس سے نہ تو کاتب کا نام اور نہ ہی سنہ کتابت کا پتہ چلتا ہے۔

۳- کاغذ ہلکے بادامی رنگ کا ہو گیا ہے اور کافی خستہ ہے۔

۴- پوری بیاض کیڑوں سے متاثر ہوئی ہے۔ خصوصاً وہ حصہ جہاں جزبندی ہوتی ہے۔ جس دور میں بھی ہو کرم خوردہ حصوں کو جوڑنے کے لئے چکنا پیلا کاغذ (بٹر پیپر) استعمال کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں بھی اس کاغذ کا استعمال ہوا ہے تحریر اس میں پوشیدہ ہو گئی ہے اور اس کا پڑھنا ممکن نہیں۔

۵- بیاض جب بھی علامہ شبلی کی ملکیت میں آئی ہو صورت حال یہ بتاتی ہے کہ اس وقت بھی سرورق اور آخری صفحہ نہ تھا۔ ان کی ایما پر الگ سے کاغذ لگایا گیا اور علامہ کے حکم کے مطابق یہ تحریر درج کی گئی۔

"تذکرۃ الشعرا مرزا صائب تبریزی"

"شعراء متقدین کہ در عرصہ مرزا صائب مرحوم در زمانہ خود منتخب نمودہ قریب چہار صد شاعر خوش فہم کلام ایشان چیدہ نوشتہ اند و سہ ہزار اشعار اند۔ مرزا صائب نوشتہ کہ در فہمیدن این اشعار استعدادی باید"

اس کے بعد کنارے پر علامہ نے خود لکھا ملک شبلی ندوہ لکھنو ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ مطابق محرم ۱۳۲۴ھ۔

۶- بیاض میں اوراق کی تعداد ۴۷۸ ہے یعنی ۹۵۶ صفحات۔

۷- صفحات میں درج اشعار کی تعداد کا تعین نہیں ہے۔ انتخاب کلام طویل ہے مثلاً کلام شیخ عطار سنائی، مولانا روم اور خود صائب کے ہر صفحہ پر چوبیس اشعار ہیں جو تین سطروں میں اوپر سے نیچے لکھے گئے ہیں۔ دیگر صفحات میں اشعار کی تعداد شعرا کی تعداد پر منحصر ہے، کیونکہ بیشتر صفحات میں آٹھ سے دس شعراء کے اشعار ہیں۔

۸- کچھ شعرا ایسے ہیں جن کا کلام مختلف صفحات پر ملتا ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ مطالعہ دواوین مختلف اوقات میں ہوا جب اچھا شعر ملا درج کر دیا۔

Marfat.com

۹-بیاض کی تحریر خط شکستہ نستعلیق میں ہے لیکن جو اشعار عموماً حاشیہ پر لکھے گئے ہیں وہ خط شکستہ میں ہیں جو اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ شروع میں نقل کرتے وقت چھوٹ گئے تھے بعد میں بڑھائے گئے ہیں۔

۱۰-علامہ شبلی کے مطابق صائب نے تقریباً چار سو معاصر شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے مگر ترتیب دینے سے معلوم ہوا کہ ۷۹۱ شعرا کے کلام کا انتخاب ہے (ترتیب کے مطابق تعداد ۸۱۶ ہوتی ہے مگر ۲۵ شعرا کے ناموں کی تکرار ہے) شعرا کے نام سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔

۱۱-۱۴ ایسے شعرا کا انتخاب ہے جن کا نام نہیں لکھا، نام کی جگہ لا ادری تحریر ہے۔

۱۲-۲۲ شعراء کے نام کرم خوردہ ہیں مگر کہیں کہیں پر شاعر کے وطن کا نام بچ گیا ہے۔

۱۳-بیاض میں شاعر کے اشعار کی تعداد درج نہیں ہے۔

۱۴-بیاض میں سب سے پہلے ناصر خسرو کا شعر ہے اور سب سے آخر میں سعیدای وخاقانی کا کلام ہے۔

❖❖❖

Marfat.com

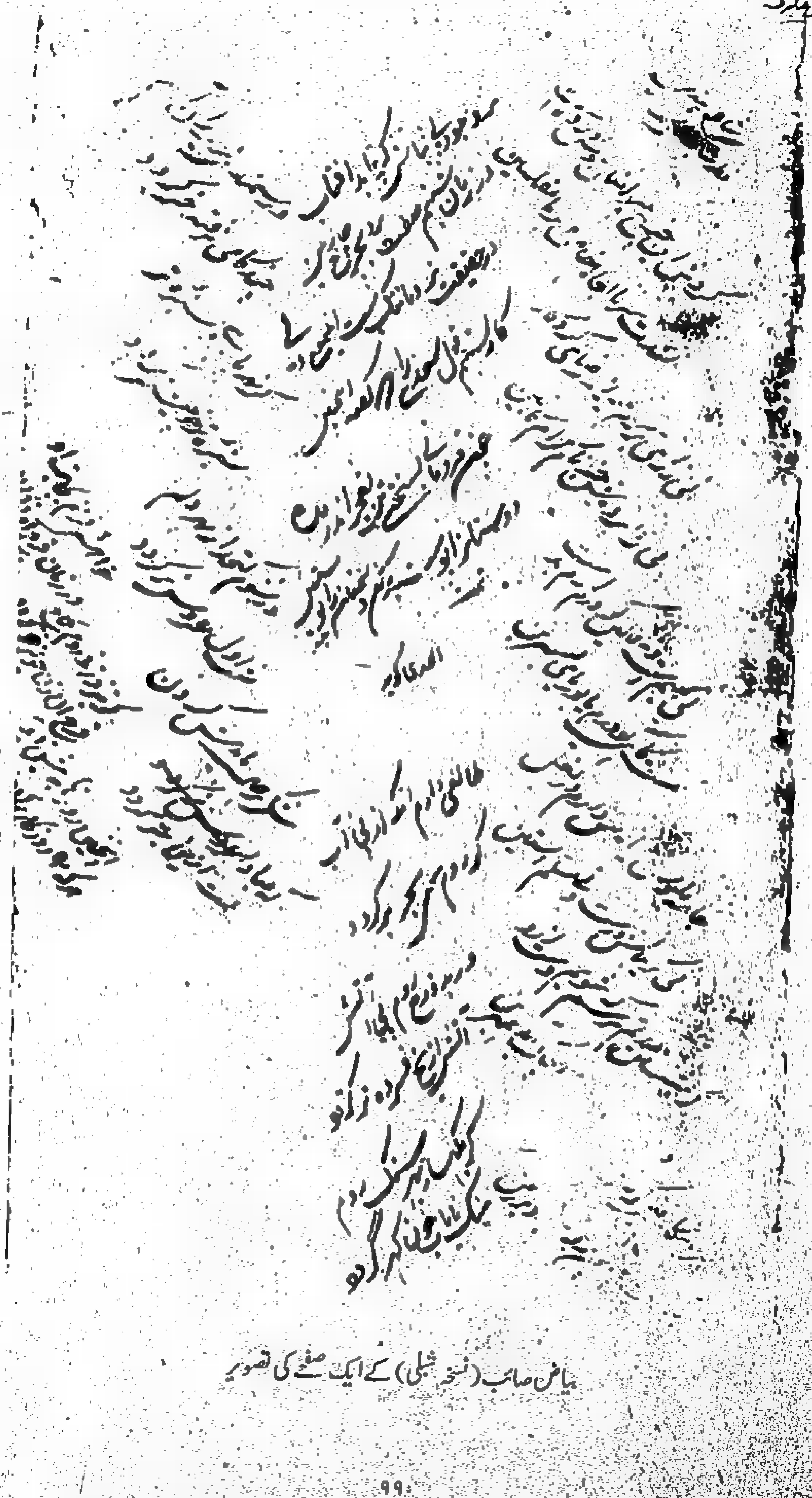

بیاض صائب (نسخۂ شبلی) کے ایک صفحے کی تصویر

Marfat.com

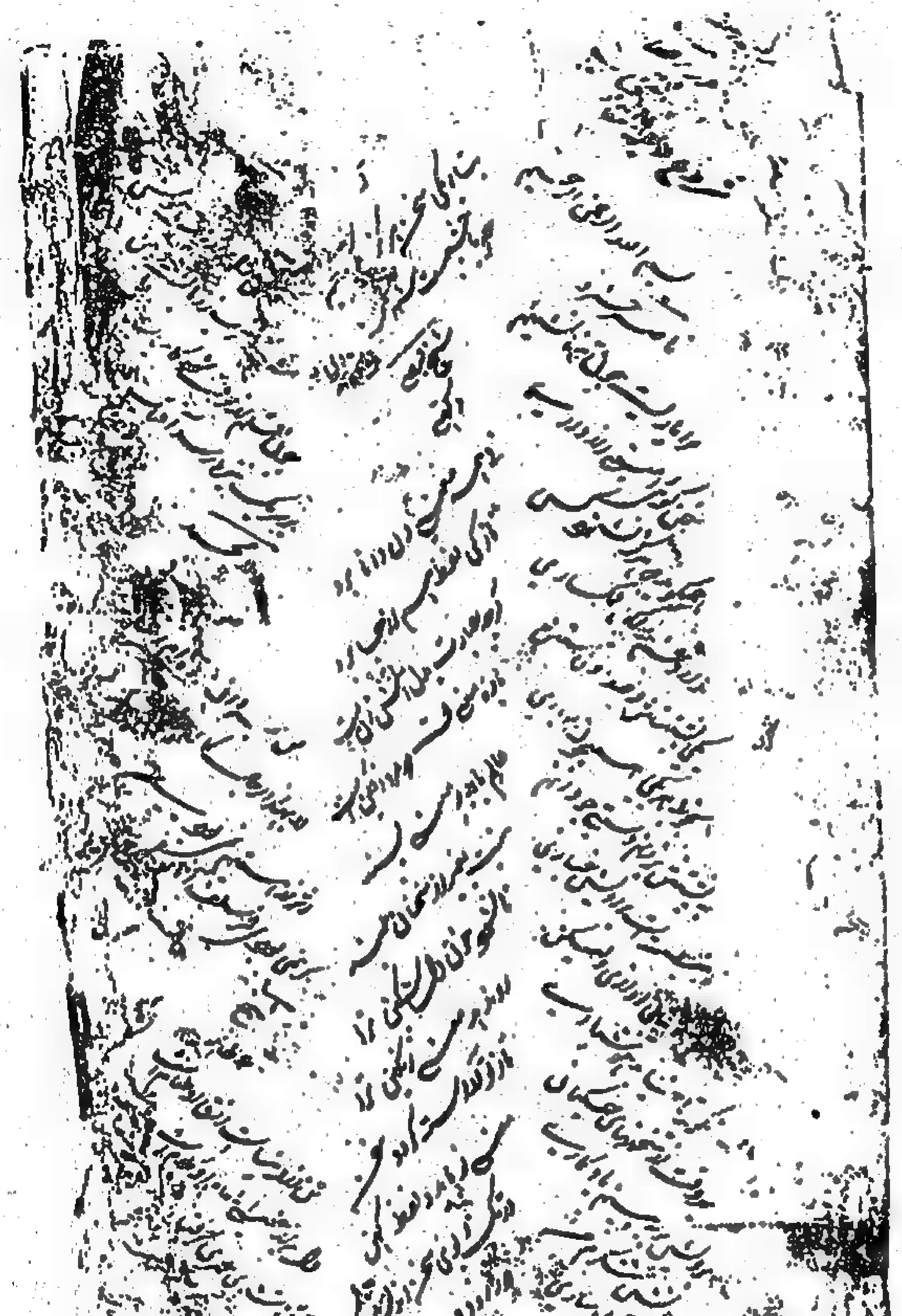

بیاض صائب (نسخۂ شبلی) کے ایک صفحے کی تصویر

Marfat.com

مرزا مظہر جانِ جاناں

اور ان کی فارسی شاعری

ڈاکٹر آصفہ زمانی*

اردو و فارسی کے ذولسانی شعراء میں مرزا مظہر جانجاناں کا اپنا ایک مقام ہے۔ ان کے والد مرزا جان عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے۔ مرزا مظہر جانجاناں کی پیدائش اسی عہد میں ہوئی۔ ان کی جائے پیدائش نیز سالِ پیدائش کے بارے میں محققین میں اختلاف رائے ہے۔ مسٹر بیل اور فرانسیسی محقق گارساں دتاسی کی تحقیق کے مطابق وہ ۱۱۱۱ ہجری مطابق ۱۶۹۸ء کو بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ لیکن مولانا آزاد کے قول کے بموجب وہ ۱۱۱۱ ہجری میں کالاباغ علاقہ مالوہ میں پیدا ہوئے۔ آب حیات میں انہوں نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں:

۱۱۱۱ ہجری میں جبکہ عالمگیر دکن پر فوج لئے پڑا تھا... یہ (مرزا مظہر) کالاباغ علاقہ مالوہ میں ۱۱/ رمضان جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ عالمگیر کو خبر گزری آئین سلطنت تھا کہ امراء کے ہاں اولاد ہو تو حضور میں عرض کریں، بادشاہ خود نام رکھیں یا پیش کئے ہوئے ناموں سے پسند کردیں... غرض عالمگیر نے کہا کہ پسر، جان پدری باشد، باپ مرزا جان ہے اس کا نام ہم نے جان جاناں رکھا۔ پھر اگرچہ باپ نے شمس الدین نام رکھا مگر عالمگیری نام کے سامنے نہ چمکا(۱)۔

مرزا مظہر اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کے شاعر ہیں۔ وہ خان آرزو (۱۶۸۹ء - ۱۷۵۶ء)، میر درد (۱۱۳۳ ہجری - ۱۱۹۹ ہجری) اور شاہ حاتم (۱۶۹۹ء - ۱۷۹۱ء) کے ہم عصر تھے گویا شعرائے متقدین سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ وہ دور تھا، اردو شعراء اپنی زبان میں تو شعر کہتے ہی تھے لیکن فارسی میں شعر گوئی مایۂ فخر خیال کرتے تھے۔

* ریڈر شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی - بھارت

Marfat.com

تصوف کا دور دورہ تھا۔ پیری مریدی کا بازار گرم تھا۔ مرزا کو بھی صوفیائے کرام اور اہل دل سے بچپن ہی سے عقیدت تھی۔ تعلیم وتربیت بھی اسی طرز پر ہوئی۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے باقاعدہ حدیث پڑھی، عرصہ تک مشائخ نقشبندیہ کی صحبت میں رہے اور ۳۰ برس کی عمر تک مدرسوں اور خانقاہوں کی جاروب کشی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شخصیت ایک درویش صفت صوفی کی شکل میں نکھر کر سامنے آئی، سینکڑوں ہندو مسلمان آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے بیعت تھے (۲) میر تقی میر نے اپنے تذکرہ ''نکات الشعراء'' میں ان کی درویشی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

''مردیست مقدس، مطہر، درویش، عالم، صاحبِ کمال، شہرہ عالم، بے نظیر، معزز، مکرم، اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف می کند، خوش تقریر بمنزلہ است کہ در تحریر نمی گنجد...''

صاحب گل رعنا نے بھی ان کے استغنا کی تعریف کی ہے۔ تذکرہ نگاروں کے بیان کی رو سے ان کے توکل اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ محمد شاہ، نواب فیروز جنگ اور آصف جاہ کے نذرانے اور پیش کشیں رد کر دیں۔

شاعری کا ملکہ خداداد تھا، مرزا مظہر کے والد بھی شاعر تھے اور جانی تخلص کرتے تھے گویا شاعری وراثت میں ملی تھی۔ مرزا مظہر جانجاناں اصلاً فارسی کے شاعر تھے لیکن اردو میں بھی شعر کہتے تھے اردو شاعری پر اس وقت ایہام گوئی کا شدت سے غلبہ تھا۔

مظہر نے اس قدیم طرز کو ترک کیا اور سلاست گوئی کو شعار بنایا مصحفی اور قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکروں میں اور انشاء اللہ خان انشاء نے دریائے لطافت میں ان کی اس خدمت کا اعتراف کیا ہے۔ قدرت اللہ شوق نے تو انہیں ترک ایہام گوئی کا اولین شخص قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

''میگویند اول کسی کہ طرز ایہام گوئی ترک نمودہ وریختہ را در زبان اردوئے معلّیٰ شاہجہان آباد کہ الحال پسند خاطر عوام و خواص وقت گردیدہ مروج ساختہ، زبدۃ العارفین، قدوۃ الواصلین، واقف رموز، جناب... مرزا جانجاناں متخلص بہ مظہر [است کہ] مردیست فرشتہ صفت...''

Marfat.com

رام بابو سکسینہ کی اطلاع کے مطابق ''ایک دیوان فارسی ایک ہزار ابیات کا جو ۱۱۷۰ ہجری میں مرتب کیا اور ایک قدیم دیوان کا انتخاب ہے، جس میں بیس ہزار شعر تھے ایک ناتمام دیوان اردو اور ایک بیاض ''خریطہ جواہر'' (فارسی شعراء کے منتخب کلام) کی آپ کی تصانیف سے یادگار ہیں(۳)۔

مرزا مظہر جانجاناں کا یہ انتخاب شدہ فارسی کلام اور ''خریطہ جواہر'' میرے پیش نظر ہے۔ یہ دونوں مطبوعہ نسخے ایک ہی مجلد ہیں یہ کلام محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن خان کے ایما پر ۱۲۷۱ ہجری میں مطبع مصطفائی کانپور سے شائع ہوا ہے اور اس کتاب کو انہوں نے ''دیوان غزلیات'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کا یہ دیوان کمیاب ہے ۔ کتاب انتہائی کرم خوردہ ہے اور اندرونی اوراق بے حد شکستہ ہیں۔ ابتدا کا تیسرا اور چوتھا ورق غائب ہے۔ یہ انتخاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کے بعد ''خریطہ جواہر'' شامل ہے۔ کلام الف با کی ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ انتخاب ہے، اس لئے کسی کسی غزل کے صرف دو تین شعر پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

عموماً صوفی شعراء نے اسرار عرفان اور راز ایمان کو حدیث دیگراں کے پیرائے میں پیش کیا ہے ان کے نزدیک عشق مجازی، عشق حقیقی کی پہلی سیڑھی ہے، یہاں بھی رنگ سخن عاشقانہ ہے۔ مظہر نہ صرف خود بعد حسین و جمیل تھے بلکہ حسن کے والہ و شیدا بھی تھے، مولانا محمد حسین آزاد خود مظہر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''شیر خوارگی کے عالم میں حسن کی طرف اس قدر میلان تھا کہ بد صورت کی گود میں نہ جاتا تھا۔ کوئی خوبصورت لیتا تھا تو ہمک کر جا پڑتا تھا اور پھر اس سے لیتے تو مشکل آتا تھا(۴)

ظاہر ہے عالم شباب میں پیکان حسن کے کیسے کیسے زخم نہ کھائے ہوں گے۔ انہوں نے اپنی ایک غزل میں محبوب کے سراپا کا بیان جس تفصیل سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عشق کے زخم خوردہ تھے۔ غزل پر ہجر کا پرتو غالب ہے۔

''غزل کا مطلع ہے۔ ہر دم از یاران دیرین یاد می آید مرا... الخ(۵)

Marfat.com

غزل کے تمام اشعار اسقدر مربوط ہیں کہ ہم اسے بآسانی غزل مسلسل کا نام دے سکتے ہیں۔ یہاں حسین یادوں کے سہارے محبوب کا سراپا مشکل ہے۔ کبھی چشم تخیل اس کی صراحی دار گردن پر جا کر ٹھہرتی ہے تو کبھی ساعد سیمیں اور ساق بلوریں سے جا ٹکراتی ہے۔

گردن مینا چو گیرم آب میگردد دلم
ساعدو ساق بلوریں یادمی آید مرا

اور شاعر کبھی اس کے خرام ناز کے تصور سے بے چین ہو ہو اٹھتا ہے:

سرو چون آہستہ می جنبد بتحریک نسیم
آن خرام نازو تمکین یاد می آید مرا

اور کبھی اس کے حنائی ناخن کی یاد دل کو خون کر دیتی ہے:

نام برگِ گل مبر مظہر کہ دل خون می شود
ناخنِ پای نگاریں یاد می آید مرا

ہجر و وصال عشقیہ شاعری کے اساسی مضامین ہیں۔ ہجر شدت اور بے چینی کا مظہر ہے، وصال تسکین کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہ لحاظ شدت تاثیر ہجریہ کلام دیرپا ثابت ہوتا ہے۔

فارسی میں امیر خسرو غالباً وہ پہلے شاعر ہیں جن کے یہاں ہجر کی لے سب سے بلند ہے۔ چونکہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ امرا و سلاطین عصر کے ساتھ اپنے وطن سے دور مہمات کی نذر ہوا لہذا وہ عمر بھر اپنے پیاروں کی یادوں کے سہارے جیے اور ہجریہ کلام کا ایک وافر ذخیرہ چھوڑ گئے۔ چونکہ انہوں نے ہجر کی تڑپ حقیقتاً محسوس کی ہے اس لئے کلام میں بلا کی تاثیر ہے۔ مرزا مظہر جانجاناں کے کلام کا بھی معتدبہ حصہ ہجریہ ہے۔

ان کے کلام پر جابجا یادوں کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں:

یاد روزیکہ دلم بندۂ دیوار تو بود
چشم بیمار تو و زلف گرفتار تو بود

جہاں وہ اپنے پیاروں کی یاد میں نوحہ کناں ہیں وہاں گزرے ہوئے لمحوں کی کسک صاف

Marfat.com

محسوس کی جا سکتی ہے۔

شد پریشان مجمع احباب مدتہا گذشت
ظاہراً زان فرقہ مظہر نام یاری ماندہ است (۷)

لیکن ان کی گراں جانی ملاحظہ ہو کہ خود ہجر سبک ساز نظر آتا ہے:

سعیہا کرد و نمردم بتمنای وصال
ہجر تمیار سبک شد زگران جانی من (۸)

ایجاز و اختصار غزل کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ غزل کا سارا حسن اور تمام خوبصورتی اسی میں مضمر ہے۔ جو بات اشاروں میں کہی جائے اس کا لطف ہی کچھ اور ہے اور تلمیحات ان اشاروں کو جاں بخشتی ہیں۔ عشقیہ مضامین کو تب و تاب بخشنے کے لئے عذرا و وامق، لیلیٰ و مجنون، شیریں و فرہاد کی تلمیحات افتادہ ہیں لیکن آج بھی شعر میں ایک نیا لطف پیدا کرتی ہیں۔ مظہر نے ان تلمیحات کو برتنے میں اپنا راستہ خود پیدا کیا ہے۔ عموماً شعراء نے شیریں پر فرہاد کا حق ثابت کیا ہے دیکھئے مظہر کیا انصاف کرتے ہیں:

میتوان انصاف کرد آخر کہ اول حق کیست؟
در ہلاک کوہکن پرویز لی تقصیر بود (۹)

فارسی شاعری ہو یا اردو، غزل کا دیوان عاشق و معشوق کے کاندھوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک ستون یعنی عاشق ہمیشہ برباد و خستہ حال اور رسوائے زمانہ رہا ہے، جبکہ دوسرا ستون یعنی معشوق، ہمیشہ بے نیاز، ظالم و سفاک لیکن پھر بھی ہر عیب سے پاک و بری۔ عاشق کو اپنی رسوائی گوارا ہے لیکن معشوق پر آنچ آئے یہ اسے گوارا نہیں۔ عشق میں دل خوں ہوا، مجرم لائق سرزنش ہے لیکن لائق تقصیر کون ہے؟ یہ فیصلہ ایسا آسان نہیں:

ہیچ کس بر جامہ زیبان قتلِ من ثابت نکرد
گرچہ خونم چون سنجاف سرخ دامنگیر بود (۱۰)

یہاں تو عاشق بیچارے کی وہ حالت ہے جس سے پرچھائیں بھی گریزاں ہے۔

Marfat.com

مظہر زنا رمید و دگر یاد ما نکرد
دیوانہ خوش نبود ز وضع کرخت ما (۱۱)

بحیثیت مجموعی غزلیات کے اس انتخاب سے ان کی قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ان کے رنگ سخن کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

غزلیات کے بعد اس میں دو مخمس شامل ہیں۔ پہلا مخمس سات بند پر مشتمل ہے، جس میں کسی "رشک گل" کے وقت وداع کا منظر جانسوز نظم کیا گیا ہے۔ ورق اس قدر کرم خوردہ ہے کہ کوئی بھی مکمل بند مثال کے طور پر پیش کرنا مشکل ہے۔ دوسرا مخمس صائب کی مندرجہ ذیل غزل پر بشکل تضمین ہے جو سات بند پر مشتمل ہے۔

چہرہ افروختہ چون گل بہ نظر می آئی
نہ از شکار دل گرم کہ دگرمی آئی (۱۲)

ایک قادر الکلام شاعر ہی تضمین پیش کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں چول سے چول بٹھانی ہوتی ہے، یہاں آتش کا یہ قول صادق آتا ہے کہ "شاعری کام ہے آتش مرصع ساز کا" واقعی یہ کام مرصع سازی سے کم نہیں۔ مظہر نے بڑی چابکدستی سے یہ کام انجام دیا ہے۔ مخمسات کے بعد سات بند کا ایک واسوخت شامل ہے جس میں شاعر نے زمانے کی بدحالی، ستم گاری اور دشمنی کا کا حال بڑے ہی درد آمیز انداز سے بیان کیا۔ اس کے ابتدائی بند یوں ہیں۔

روزی بقاصدی سر راھی شدم دوچار
پرسیدمش ز مظہر دیوانگی شعار
آہی کشید و گفت کہ ازدست روزگار
آن بلبلی کہ بی رخ گل بود بیقرار
اکنون می طرب بہ باغش نمیرسد
گل میرسد بباغ و دماغش نمیرسد

Marfat.com

گاهی چو سیل سوی بیابان نمیرود
چون ابر تر به جانب مستان نمیرود
بلبل صفت به سیر گلستان نمیرود
پروانه وار سوی چراغان نمیرود
از بیدلی بکنج غمی عهد بسته است
وز بیکسی بماتم خود خودنشسته است (۱۳)

مخمس کے بعد دو مثنویاں شامل ہیں پہلی مثنوی میں دس اشعار ہیں۔ اس مثنوی میں خدا کی حمد اور رسولؐ کی مدح کی گئی ہے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں:

خدا در انتظار حمد مانیست
محمدؐ چشم بر راه ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰؐ بس
محمدؐ حامد حمد خدا بس
مناجاتی اگر باید بیان کرد
به بیتی هم قناعت میتوان کرد (۱۴)
دگر لب واکمن مظهر فضولست
سخن از حاجت افزون تر فضولست

دوسری مثنوی میں تیس اشعار ہیں۔ بہ اعتبار مضمون یہ عشقیہ مثنوی ہے اور ہجر و فراق کے مضامین پر مشتمل ہے اس کا پہلا شعر یوں ہے:

سرت گردم ای قاصد کوی یار
زمن سجده بر بردر آن نگار

Marfat.com

اور آخری شعر یہ ہے ۔

کشم گرنہ آہی بسودای تو
شود بی علم فوج غمہای تو

انتخاب کے آخر میں بیس اشعار پر مبنی ایک تاریخی قطعہ درج ہے۔ یہ سید نورالحسن کی شادی کے موقع پر کہا گیا ہے۔

کان صدر نشین بزم دولت
نازد بہ ثنائش لفظ و معنی
آن سید نورالحسن کہ نامش
چوں نام علی است حرز جانہا
در عقد نکاح خود در آورد
معصومہ این سلطنت را (۱۵)

اس انتخاب کے حاشیہ پر اشعار کی توضیح کے طور پر بزبان فارسی مختصر نوٹ بھی دیے گئے ہیں جس سے دیوان کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

زبس با داغہا درد دل آید بر زبان ما
شود محسوس ہمچوں شاخ نافرمان فغان ما

توضیح : یعنی فغان ما مثل شاخ نافرمان بنظر می آید (۱۶)

زعشق او بداغی کی تسلی میشوم مظہر
کہ غرق سوختن چون شعلہ میخواھم سراپارا

توضیح : قولہ زعشق و آہ. یعنی عاشقان کامل خواہانِ درد والم

رفتنت در بزم مستان زہرہ آبم کردہ است
چہرہ از می آتشین کردن کباہم کردہ است

Marfat.com

توضیح : یعنی میکشی تو در بزم اغیار مرا کباب کردہ است۔

"دیوان غزلیات" کے اس حصے کے بعد "خریطہ جواہر" شامل ہے۔ دیوان غزلیات کی طرح یہ بھی کم یاب ہے۔ یہ مجموعہ فارسی شعراء کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں نے واقعی اس حصے میں اشعار کی شکل میں جواہرات کی تھیلی پیش کر دی ہے۔ اس لئے کہ اشعار کا انتخاب خاصا مشکل کام ہے۔ یہاں شاعر ایک جوہری کی طرح اشعار کے ذخیرے سے خوب تر کی تلاش کرتا ہے۔ اور یہ کام اتنا آسان نہیں۔ ساتھ ہی اس میں نقد و نظر کی بصیرت بھی درکار ہے، تبھی اشعار کا ایک اچھا انتخاب سامنے آسکتا ہے ۔ عموماً انتخاب اشعار میں خود شاعر کے مزاج اور اس کی ذاتی پسند و ناپسند کا کافی دخل رہتا ہے اسلئے اس قسم کے انتخاب سے ہمیں بلاواسطہ طور پر شاعر کی صلاحیت کو بھی سمجھنے کا میزان حاصل ہو جاتا ہے۔

میرے پیش نظر "خریطہ جواہر" کا یہ حصہ صفحہ ۹۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۵۶ پر ختم ہوتا ہے۔ پچھلے اوراق یقیناً اور بھی ہوں گے کیونکہ یہاں سے پھٹے ہوئے اوراق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پھر بھی ان ۶۶ صفحات میں تقریباً چھ سو شعراء کے منتخب اشعار یقیناً شامل ہیں۔ ابتداء ابو سعید ابوالخیر کی رباعیات سے کی گئی ہے اور آخری شاعر میر نظام دست غیب ہے۔ اس میں معروف و غیر معروف سبھی متقدین و متوسطین و متاخرین شعراء کے اشعار کا انتخاب شامل ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کے شاگردوں میں محمد فقیہ درد مند، بساون لال بیدار، خواجہ احسان اللہ خاں بیان، مصطفیٰ خاں یک رنگ، میر محمد باقر حزیں اور انعام اللہ خاں یقیںؔ (۱۷) جیسے صاحب دیوان شاعر ہوئے ہیں۔

مرزا مظہر کا شمار مقتول شعراء میں ہوتا ہے انعام اللہ خاں یقین (۱۱۶۹ھ) کا دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ نے حیدر آباد سے شائع کیا۔

اگرچہ مرزا مظہر جان جاناں نے کوئی ضخیم دیوان یادگار نہیں چھوڑا لیکن کسی بھی

Marfat.com

شاعر کی اہمیت دیواں کے حجم سے نہیں ہوتی، اس کے کلام کی کیفیت و تاثیر سے ہوتی ہے۔ وہ عشق کے زخم خوردہ تھے اور عشق دل کی گدازی کا باعث ہوتا ہے۔ اور دل کی گدازی کلام میں حلاوت و شیرینی کا سبب بنتی ہے۔(۱۸)

بلاشبہ مرزا کا یہ فرمانا ہرگز تعلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا

حلاوت می چکد از گفتگوی عشق ما مظہر
چو برگِ گل زبان را در شکر گیرد بیان ما

حواشی و تعلیقات

۱- آب حیات از محمد حسین آزاد، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو

۲- بحوالہ ہسٹری آف اردو لٹریچر از رام بابو سکسینہ مترجم مرزا محمد عسکری مطبع منشی نولکشور (لکھنو ۱۹۲۹ء 'پیغام آشنا نقد و تبصرہ ص: ۹۱)۔

۳- ایضاً، ص ۹۲

۴- آب حیات، ص ۱۳۲

۵- دیوان غزلیات فارسی، از مظہر جان جاناں، مطبوعہ، مطبع مصطفائی کانپور، ۱۲۷۱ھ، ص: ۱۰

۶- دیوان غزلیات، ص ۸

۷- ایضاً، ص ۲۷

۸- ایضاً، ۷۲

۹- دیوان غزلیات، ص-۴۹

۱۰- ایضاً' ص، ۴۹

۱۱- ایضاً، ص ۱،

۱۲- ایضاً'

۱۳- دیوان غزلیات' ایضاً، ص ۸۳

۱۴- ایضاً' ص ۸۵

۱۵- ایضاً

۱۶- ایضاً'

۱۷- انعام اللہ خان یقین ۱۱۹۹ھ کا دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ نے حیدر آباد سے شائع کیا

۱۸- بحوالہ تاریخ ادبیات اردو از رام بابو سکسینہ، ص ۹۲، ۹۳

❖❖❖

Marfat.com

علمائے کوٹلی لوہاراں

کی فارسی ادبیات کے لیے خدمات

مجیب احمد*

لاہور سے تقریباً ایک سو تین کلومیٹر کے فاصلے پر' شمال مغرب میں پنجاب کا ایک اہم اور تاریخی شہر سیالکوٹ آباد ہے جس کا ذکر مہابھارت میں بھی موجود ہے۔ سیالکوٹ اپنی تاریخی' سیاسی اور صنعتی حیثیت کے ساتھ ساتھ علمی اور روحانی طور پر بھی پنجاب کا ایک اہم شہر ہے۔ یہاں کی مشہور و معروف علمی و دینی شخصیات میں سید امام علی الحق'' شاہ سیداں سرمست سہروردیؒ (م-۱۶۰۶ء)' شاہ محمد حمزہ غوثؒ (م-۱۶۰۸ء)' ملا کمال الدینؒ (-۱۶۰۸ء)' ملا جمال الدینؒ' حکیم رانا سیالکوٹیؒ اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (م-۱۶۵۶ء) کے نام نمایاں ہیں۔

سیالکوٹ سے تقریباً گیارہ کلومیٹر دور' شمال میں ہیڈ مرالہ کو جاتی ہوئی سڑک پر ایک تاریخی قصبہ 'کوٹلی لوہاراں واقع ہے جو دو حصوں' غربی اور شرقی پر مشتمل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک کوٹلی لوہاراں کے دونوں حصوں میں ساٹھ کے قریب چھوٹی صنعتیں تھیں۔ جہاں لوہے کے آلات اور مختلف اوزاروں کے پھل وغیرہ بنائے جاتے تھے جن کی ہندوستان بھر میں مانگ تھی۔ کوٹلی لوہاراں کا علاقہ اپنی صنعتی شہرت اور اہمیت کے علاوہ اپنی شناخت کا ایک اور حوالہ بھی رکھتا ہے۔ یہاں صدیوں سے علمائے کرام اور مشائخ عظام قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدائیں بلند کرتے رہے ہیں۔ کوٹلی لوہاراں (غربی) کو یہ خاص شرف حاصل رہا ہے کہ یہاں شریعت وطریقت کے کئی نامور بزرگوں نے جنم لیا' جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی بے لوث خدمت کی۔ ان عظیم

* این-اے ۴۵۹' 7th روڈ' سیٹلائٹ ٹاؤن' راولپنڈی

Marfat.com

ہستیوں میں نمایاں نام بہار شاہ ولیؒ، حکیم عمر الدین وارثیؒ، عبداللہ شاہ ولیؒ، بابا محمد عیداؒ (م-۱۹۳۷ء)، صوفی محمد نیاز الدینؒ (م- ۱۹۴۲ء)، صوفی ثناء اللہ نقشبندیؒ (م-۱۹۵۴ء)، ابوالفیض سید قلندر علی گیلانی سہروردیؒ (م-۱۹۵۸ء) اور حکیم خادم علیؒ (۱۸۷۲-۱۹۷۱ء) کے ہیں۔

کوٹلی لوہاراں (غربی) کی اصل وجہ شہرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ(۱) کی شخصیت اور ان کے تین صاحبزادے ہیں۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن کا خاندان اپنے تبحر علمی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے آج بھی جنوبی ایشیاء کے علمی و دینی حلقوں میں اپنا ایک الگ مرکزی اور امتیازی مقام رکھتا ہے۔ اس خاندان نے تحریر و تقریر کے ذریعے نہ صرف دینی اور علمی سطح پر گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں بلکہ اردو، پنجابی، عربی اور فارسی زبان و ادب کی بھی بڑی خدمت کی ہے۔ اس خاندان کی فارسی ادبیات کے لیے سرانجام دی جانے والی خدمات کا ایک مختصر سا جائزہ پیش خدمت ہے۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ نے *بحر الانساب*، *جوامع الحکایات*، *سیرۃ النبیؐ*، *شجرۃ العالمؐ* اور *طبقات ناصری* جیسی قدیم اور تاریخی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے، ۲۷ مئی ۱۸۶۵ء کو فارسی میں *شجرۃ النبی* صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتب کیا۔ *شجرۃ النبی* صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ مبارک ہے جو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آل رسول کریمؐ اور آپؐ کی چاروں صاحبزادیوں کے شوہروں کے بارے میں ضروری ابتدائی معلومات بھی درج ہیں۔ اسی طرح رسول کریمؐ کے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات درج ہیں۔ *شجرۃ النبیؐ* کے حصہ دوم میں ہندوستان کے مغل حکمران محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۱۸-۱۷۰۷ء) کے شجرہ نسب کا بیان ہے۔ جبکہ حصہ سوم میں رسول اکرمؐ، خلفائے راشدینؓ اور آں حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے۔ اس حصہ میں مذکور ہستیوں کی زیادہ سے زیادہ چار نسلوں تک کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ان ہستیوں کے مقام،

Marfat.com

یوم، تاریخ، ماہ و سال ولادت اور تاریخ، یوم، ماہ و سال اور وقت وفات اور مقام تدفین کا بھی ذکر ہے۔ ساتھ ہی ان سے میں ہر ایک کی والدہ محترمہ کا مع ان کے والد محترم کے نام کے، بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ ان تمام تر معلومات کے علاوہ ان ہستیوں کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔ شجرۃ النبیؐ کے کل چودہ صفحات تھے۔ لیکن اس کے صفحات نمبر تین اور چار ضائع ہو چکے ہیں۔(۲)

مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کا مارچ ۱۸۸۰ء میں فارسی میں تحریر کردہ ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔ یہ فتویٰ گیارہ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا بیان ہے۔(۳) ۲۷ مارچ ۱۸۸۰ء کو مولانا عبدالرحمٰن نقشبندیؒ نے حضرت علی علیہ السلام (۶۰۳ء-۶۶۱ء) سے منسوب ۳۰۸ عربی اشعار کی فارسی میں منظوم ترجمہ و شرح مکمل کی۔ ان اشعار میں دینی، روحانی اور اخلاقی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ قلمی نسخہ بیالیس صفحات پر مشتمل ہے۔(۴) فرق مخالف کے رد میں ۲۹ جون ۱۸۸۱ء کا پانچ صفحات پر مشتمل فارسی فتویٰ بھی مولانا عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کی یادگار ہے۔(۵) ردِ فرق باطلہ اور حنفی مذہب کی تائید میں دس صفحات پر مشتمل فارسی میں، مولانا عبدالرحمٰن نقشبندیؒ نے ایک بلا عنوان رسالہ تحریر کیا جو جولائی ۱۸۸۱ء میں مکمل ہوا۔(۶) اس رسالہ میں بعض فقہی مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا ابو عبدالقادر محمد عبداللہ قادری نقشبندی مجددی (۷) (۱۸۶۵ء - ۱۹۲۳ء) نے مارچ ۱۸۸۲ء میں مصابیح الایمان مکمل کی۔ ۴۴۶ صفحات پر مشتمل فارسی میں تحریر کردہ اس کتاب کی پچاس فصول ہیں۔ مصابیح الایمان میں توحید، فضیلت رسالت رسولؐ، فضیلت قرآن مجید و دیگر کتب آسمانی و صحف، ارکان اسلام کی فضیلت اور ان سے متعلقہ مسائل، معاملات زندگی سے متعلقہ مسائل و دیگر ضروری فقہی مسائل کا تفصیلی بیان ہے۔(۸) علاوہ ازیں مولانا عبداللہ قادریؒ نے اپنے والد محترم کے وصال پر ایک طویل تاریخ وفات فارسی میں لکھی۔ جس کے چند اشعار درج ہیں:

وہ چہ عالم چہ فاضل و کامل
حافظ و قاری کلام اللہ

Marfat.com

خلق او خلق احمدی ہر دم
متواضع سخی و اہل اللہ
کرد رحلت چو از جہان فنا
در ہمہ مرد و زن شدہ غوغا
بر تاریخ سال رحلت او
غور کردم چو ساعت ناگاہ
قطع کن سر جنون و کر فکر
غفرہ اللہ (۱۲۹۸ھ) ملہم گفتا (۹)

مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کے منجھلے صاحبزادے مولانا ابو یوسف محمد شریف نقشبندی مجددی قادریؒ۔ (۱۰) (م-۱۹۵۱ء)' کی اگرچہ فارسی نثر میں کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں تاہم ان کے بعض فارسی فتاویٰ موجود ہیں۔ (۱۱) یہ فتاویٰ مختصر ہیں اور استفتاء کی عبارت کو مد نظر رکھتے ہوئے' اس کے جواب میں شرعی فتویٰ دیا گیا ہے۔ فارسی نثر کے برعکس' مولانا محمد شریف قادریؒ کی فارسی شاعری کے حوالے سے کئی نگارشات محفوظ ہیں۔ جس میں نمایاں اہمیت نعتیہ شاعری کو حاصل ہے۔ مولانا محمد شریف قادریؒ کی ایک نعت کے چند اشعار درج ہیں:

رسول اللہ ببین محرومی ما
ز رحمت کن نظر بر شومی ما
بہ سوز ہجر تو بیمار گشتم
بسی حیران و بس لاچار گشتم
زہی قسمت کہ در خوابت بہ بینم
زلبستانِ جمالت گل بہ چینم

Marfat.com

ہراسم نیست از محشر کہ دارم
پناہ مصطفیٰ برحال زارم
شریفا خواندہ لاتقنطوا را
خدا حاصل کند این آرزو را

نعتیہ شاعری کے علاوہ مولانا محمد شریف قادریؒ کے چند منظوم فارسی مکتوبات بھی ملتے ہیں جو انہوں نے مختلف علمائے کرام اور مشائخ عظام کو لکھے تھے۔ ان میں نمایاں ترین نام مولانا محمد شریف قادریؒ کے مرشد خواجہ حافظ محمد عبدالکریم نقشبندی مجددیؒ (۱۲) (۱۹۳۶ء-۱۸۴۸ء)، عیدگاہ شریف، راولپنڈی کا ہے۔ ان مکتوبات میں مولانا محمد شریف قادریؒ نے بعد از حمد و نعت، اپنے مرشد کو اپنی قلبی و روحانی کیفیات سے آگاہ کرتے ہوئے مرشد کی توجہ اور رہنمائی کی درخواست کی ہے۔ علاوہ ازیں، اپنے معاصر علمائے کرام اور مشائخ عظام کی تصانیف پر مولانا محمد شریف قادریؒ کے فارسی میں منظوم تقریظات بھی ملتی ہیں۔(۱۳)

مولانا محمد شریف قادریؒ کو فن تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے اپنے خاندان کے کئی افراد کی تاریخ ہائے ولادت و وفات فارسی میں لکھیں۔ آپ نے کئی اکابر علمائے کرام اور اپنے احباب کی وفات پر بھی اردو، عربی اور فارسی میں کئی تاریخ ہائے وفات لکھیں۔ مولانا محمد شریف قادریؒ کے فارسی میں تحریر کردہ ہجری اور عیسوی سال کے حساب سے الگ الگ طویل اور مختصر قطعات تاریخ ہائے وفات بھی ملتے ہیں۔ جن علمائے کرام کی وفات پر انہوں نے تواریخ لکھیں ان میں آپ کے والد محترم(۱۴) بڑے بھائی۔(۱۵) اور مرشد(۱۶) کے علاوہ مولانا محبوب احمد عرف خیر شاہ امرتسری(۱۷) (م-۱۹۲۰ء)، پیر عبدالغفار شاہ کشمیریؒ(۱۸) (م-۱۹۲۲ء)، مولانا فضل میرانؒ(۱۹) (م-۱۹۲۳ء)، مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ رضوی مشہدی الوریؒ(۲۰) (۱۹۳۵ء-۱۸۵۶ء) اور پیر حیات محمد سیالکوٹیؒ(۲۱)

Marfat.com

(م-۱۹۴۲ء) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا ابوالیاس حافظ محمد امام الدین قادری رضویؒ[۲۲] (م-۱۹۶۱ء) اور مولانا محمد عبداللہ قادری کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالقادرؒ (۱۹۸۱ء-۸۹/۱۸۸۸ء) کے فارسی میں صرف چند قطعاتِ تاریخ ہائے وفات ہی ملتے ہیں جو انہوں نے مختلف علمائے کرام کی وفات پر تحریر کیے۔ مولانا حافظ امام الدین رضویؒ نے مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی قادریؒ[۲۳] (۱۹۲۱ء-۱۸۵۶ء) کی وفات پر مندرجہ ذیل فارسی مصرعہ جات کہے تھے:

در سن یک ہزار و سہ صد و چہل ہجری بحر علوم ۱۳۴۰ھ
جامع کمالات زیر زمین نہان شد ۱۳۴۰ھ [۲۴]

مولانا عبدالقادرؒ نے اپنے والد محترم کی وفات پر بھی فارسی میں تاریخ وفات تحریر کی، جو لوح مزار پر درج ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱- مولانا حافظ عبدالرحمٰن نقشبندیؒ کے حالات کے لیے دیکھیں: مجیب احمد، تذکرہ فقیہ اعظم مرید کے: مکتبہ اشرفیہ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷۔
۲- شجرۃ النبیؐ کے قلمی نسخے کی ایک کاپی سید عبداللہ قادری کے آبائی کتب خانہ، واقع چک شمالی، ضلع منڈی بہاء الدین میں موجود ہے۔
۳- اس فتویٰ کا اصل مسودہ کتب خانہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں محفوظ ہے۔
۴- اس کا اصل مسودہ، کتب خانہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں موجود ہے جو کرم خوردہ ہے۔
۵- اس فتویٰ کا اصل مسودہ کتب خانہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں محفوظ ہے۔ راقم الحروف کے پاس اس کی فوٹو کاپی ہے۔
۶- اس رسالہ کا اصل مسودہ کتب خانہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں محفوظ ہے۔
۷- مولانا ابو عبدالقادر محمد عبداللہ قادریؒ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: مجیب احمد "امام احمد رضاؒ کے ایک خلیفہ: مولانا ابو عبدالقادر محمد عبداللہ نقشبندی مجددیؒ" سالنامہ معارف رضا کراچی،

Marfat.com

۱۹۹۹ء، ص ۷ ۲۴-۲۴۱۔
۸۔ مصابیح الایمان کا کرم خوردہ اصل مسودہ، راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔
۹۔ اس طویل تاریخ وفات کا اصل مسودہ کتب خانہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں موجود ہے۔
۱۰۔ مولانا ابو یوسف محمد شریف قادریؒ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: تذکرہ فقیہ اعظم، ۱۰۰۔ ص ۷ ۱۔
۱۱۔ ان فتاویٰ کے اصل مسودات کتب خانہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں موجود ہیں۔
۱۲۔ خواجہ حافظ محمد عبدالکریم نقشبندی مجددیؒ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: قاضی عالم الدین، کنز القدیم فی آثار الکریم، میرپور: ویری ناگ پبلشرز، ۱۹۸۷ء۔
۱۳۔ مولانا محمد شریف قادریؒ کی فارسی نعتیہ شاعری، مکتوبات اور تقریظات ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔ جس میں عربی اور اردو میں بھی کئی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ یہ رجسٹر کتب خانہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں موجود ہے۔
۱۴۔ اس قطعہ تاریخ وفات کا اصل مسودہ کتب خانہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں میں موجودہ ہے۔
۱۵۔ ہفت روزہ الفقیہ (امرتسر)، ۵ نومبر ۱۹۲۳ء، ص ۱۱۔
۱۶۔ تذکرہ فقیہ اعظم، حوالہ سابقہ، ص ۳۴-۳۳۔
۱۷۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۵۵-۵۴۔
۱۸۔ ماہنامہ تصوف، لاہور، اپریل، ص ۲۶-۱۹۲۲۔
۱۹۔ الفقیہ (امرتسر)، ۲۰ جون ۱۹۲۳ء، ص ۱۱۔
۲۰۔ ہفت روزہ رضوان، لاہور، ۷ مئی ۱۹۵۰ء، ص ۸۔
۲۱۔ انوار الصوفیہ، سیالکوٹ، اگست ۱۹۴۴ء، ص ۳۲۔
۲۲۔ مولانا ابوالیاس حافظ محمد امام الدین رضویؒ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: مجیب احمد، مولانا حافظ امام الدین کوٹلوی: خلیفہ اعلیٰ حضرت، معارف رضا، کراچی، ۱۹۹۶، ص ۲۲۹-۲۲۴۔
۲۳۔ مولانا شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی قادریؒ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: محمد مسعود احمد، حیات امام اہلسنت، لاہور، مرکزی مجلس رضا، ۱۹۸۴ء۔
۲۴۔ ماہنامہ جہان رضا، لاہور، اپریل ۱۹۹۶ء، ص ۱۷۔

❖❖❖

Marfat.com

گویند بہشت و حورعین خواہد بود
آنجا مے و شیر و انگبین خواہد بود
گرما مے و معشوق گزیدیم رواست
چون عاقبت کار چنین خواہد بود
(عمر خیام)

Marfat.com

اردو ادب

Marfat.com

Marfat.com

نعت رسول مقبول(ص)

ظہیر زیدی

آہوں میں اپنی اتنا اثر دیکھتا ہوں میں
آقائے دو جہاں کا نگر دیکھتا ہوں میں

اے جذبِ عشق اتنا کرشمہ دکھا دے آج
کیسے نہ ہوگی ان کو خبر دیکھتا ہوں میں

صحرا ہو یا چمن ہو، سمندر ہو یا پہاڑ
نورِ خدا کو شام و سحر دیکھتا ہوں میں

کیا جانے کس کے آنے کا ہے مجھ کو انتظار
مڑ مڑ کے سوئے راہ گذر دیکھتا ہوں میں

یارب میں جاگتے میں بھی دیکھوں درِ رسولؐ
خوابوں میں تو حضورؐ کا در دیکھتا ہوں میں

زیدیؔ حضور پاکؐ کا صدقہ ہے یہ کہ اب
اپنی دعا کو زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں

❖❖❖

Marfat.com

دادم بہ امید زندگانی برباد
نابودہ زعمر خویشتن روزی شاد
زاں می ترسم کہ عمر امانم نہ دہد
چندان کہ ز روزگاری بستانم داد
(عمر خیام)

Marfat.com

سید علی محمد شاد عظیم آبادی

ڈاکٹر محمود الرحمن*

اُردو غزل کی تاریخ کا جب بھی جائزہ لیا جائے گا خان بہادر سید علی محمد شاد، رئیس عظیم آباد (پٹنہ)، کے رنگ تغزل کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے وقت کے میر تھے۔ ان کے کلام میں میر تقی میر کی خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ وہی انداز بیان، وہی سادگی اور متانت' وہی لب و لہجہ اور وہی تراکیب و اوزان!۔

شاد نہ صرف اعلیٰ درجہ کے غزل گو اور مرثیہ نگار تھے بلکہ ایک بلند پایہ ادیب اور مصنف بھی تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف کا ایک بے بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جس کی اہمیت ہمیشہ مسلم رہے گی۔ انہیں شعر و ادب کا ایسا چسکا لگا تھا کہ تمام عمر اسی کی خدمت میں محو رہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین "اپنی کل عمر اردو ادب کی خدمت میں گزار دی۔"(۱)

شاد عظیم آبادی جنوری ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد کے ایک محلہ پورب دروازہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید عباس مرزا تھا جو نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک طینت رئیس تھے۔ شاد بچپن ہی سے نہایت ذہین واقع ہوئے تھے۔ حافظہ غضب کا پایا تھا۔ علم و ادب کی طرف فطری رجحان تھا ہی' اس پر گھر کا علمی ماحول، بامحاورہ گفتگو کی تاکید ہر لحہ ہوتی رہتی۔ روزمرہ میں جہاں غلطی سرزد ہوتی، ڈانٹ پڑ جاتی۔ سن بلوغت سے پہلے ہی مکتب کی رسم ادا کر دی گئی۔ ابتداء میں مولوی سید فرحت حسین تعلیم دیتے تھے۔ ان ہی سے عربی کی صرف و نحو پڑھی۔ بعد میں جو دوسرے اساتذہ ان کی تعلیم کے لیے مقرر کیے گئے، ان میں مولوی سید عبداللہ شاہ فاضل کشمیر قابل ذکر ہیں۔ ان ہی سے شاد نے شرح ملا جامی و میزان منطق وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور کچھ دنوں تک انگریزی اسکول میں بھی بٹھائے گئے تھے۔

* علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

شاد کے والد اپنی مہمان نوازی کے لئے مشہور تھے۔ دور دور سے آنے والے تاجر سیاح اور ترک وطن کرنے والے ادیب و شاعر پٹنہ آکر انہیں کے ہاں مقیم ہوتے۔ ان میں میر سید محمد فیض آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ پورے تیس سال شاد کے خاندان میں مقیم رہے۔ واضح ہو کہ میر سید محمد اردو کے مشہور و معروف شاعر میر انیس کے ہمجولی تھے۔ دونوں ایک ہی جگہ پلے اور ساتھ کھیل کر جوان ہوئے۔ جس زمانے میں میر انیس مرثیہ خوانی کے لئے پٹنہ تشریف لائے اور میر سید محمد سے ملاقات ہوئی تو مجمع عام میں کہا کہ "پورے ہندوستان میں ایک شخص بھی ان سے زیادہ محاورات جاننے والا نہیں۔"(۲)

شاد عظیم آبادی نے انہیں کی صحبت میں اپنا بچپن گزارا۔ وہ اکثر ان بزرگ کے پاس جا بیٹھتے اور ان کی گفتگو سنا کرتے۔ میر سید محمد کی یہ عادت تھی کہ جہاں کسی نے محاورے کے استعمال میں غلطی کی، وہ فوراً ٹوک دیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی مسلسل تنبیہ کی بدولت شاد کو اردو محاورات میں پوری مہارت حاصل ہو گئی۔

اس خاندان میں ایران سے آنے والے ایک تاجر حاجی محمد رضا شیرازی بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرت مصر و شام و ایران سے نایاب کتابیں ہندوستان لاتے۔ جب پٹنہ آتے تو ان کا قیام اسی خاندان میں ہوتا۔ یہ محض تاجر نہ تھے بلکہ فارسی زبان و ادب کے بڑے ماہر اور محقق تھے۔ تاریخ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شاد عظیم آباد نے ان بزرگ سے بھی خاصا استفادہ کیا۔ ان سے فارسی میں گفتگو کرتے۔ حاجی محمد رضا شیرازی کی کوششوں سے شاد میں فارسی کی اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ سات سال کی عمر میں اردو کا فارسی میں بامحاورہ ترجمہ کرنے لگے۔ بات دراصل یہ تھی کہ شاد فارسی بول چال میں جہاں غلطی کرتے، یہ ایرانی مہمان فوراً اس کی اصلاح کر دیتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شاد کو اردو کی طرح فارسی زبان میں بھی خاصی دستگاہ حاصل ہو گئی۔

شاد عظیم آبادی یوں تو ابتدا سے ہی شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے، لیکن باقاعدگی کے ساتھ غزل گوئی تیرہ برس کی عمر میں شروع کی۔ اس وقت پٹنہ میں جو مشاعرہ منعقد ہوا

Marfat.com

اس کی طرح تھی "سامنے تقریر کے حاجت نہیں تحریر کی"۔ شاد نے بھی طبع آزمائی کی اور مرصع غزل سامعین کے سامنے پیش کی۔ مطلع یہ تھا:

جب سے اس ابرو نے پیدا تیغ عالمگیر کی
آبرو جاتی رہی آبِ دمِ شمشیر کی

پھر تو شاعری کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اس فن میں ڈوب گئے۔ بہت تھوڑی مدت میں صوبہ بہار کے نامور شعراء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ لوگ ان کے کلام کو عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھنے لگے۔

شاد کے کلام کی اصلاح شاہ الفت حسین فریاد عظیم آبادی نے کی جو اشکی کے شاگرد تھے۔ اور ان کو خواجہ میر درد دہلوی سے تلمذ تھا۔ اس طرح شاد کا سلسلہ خواجہ میر درد سے جاملتا ہے۔ مزید بر آں شاد راسخ عظیم آبادی سے بھی خاصی عقیدت رکھتے تھے۔ یہ وہی راسخ ہیں جو میر تقی میر سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ میر زنان خانے میں تھے، کہلا بھیجا کہ نہیں ہیں۔ راسخ کو پتہ چل گیا کہ ملنے سے انکار کر رہے ہیں۔ فوراً شعر فی البدیہہ کہہ کر میر کے پاس بھیجدیا:

خاک ہوں پر توتیا ہوں رشک مہر و ماہ کا
آنکھ والا رُتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا

میر فوراً باہر نکل آئے اور راسخ کو گلے سے لگالیا۔ ان کے کلام پر اصلاح بھی دی۔ اس طرح شاد کا تعلق میر تقی میر سے بھی قائم ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں میر کا رنگ نمایاں ہے۔

شاد عظیم آبادی میر انیس، میر مونس اور مرزا دبیر کی صحبتوں میں رہ چکے تھے۔ یہ تینوں بزرگ شعراء محرم میں مرثیہ خوانی کے لئے پٹنہ تشریف لایا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے شاد کے خاندانی روابط تھے۔ ملاقاتیں پیہم ہوتی رہیں اور شاد نے اکتساب فیض میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

جب مرزا دبیر پٹنہ تشریف لائے اور شاد ملنے کے لئے گئے تو انہوں نے نصیحت کی

Marfat.com

کہ مرثیہ کہا کریں۔ شاد نے تعمیل حکم کے طور پر بیس پچیس بند کا ایک مرثیہ لکھ کر مرزا دبیر کو دکھایا۔ انہوں نے بند پڑھوا کر سنے' تعریف کی اور اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ دو سال کے بعد وہ اصلاح شدہ مرثیہ شاد کو واپس بھیج دیا۔

شاد عظیم آبادی کو سر سید احمد خان سے خاص تعلق تھا۔ وہ ہمیشہ ان کی علمی و ادبی خدمات کو سراہتے رہے۔ انہیں جب بھی موقع ملا سر سید کے خیالات و نظریات کی ترویج و اشاعت میں اہم حصہ لیا۔ ۱۸۸۹ء میں شاد دھلی تشریف لے گئے۔ واپسی میں علیگڑھ بھی پہنچے اور دو دن تک سر سید کے مہمان رہے۔ جب مدرسہ اور بورڈنگ ہاؤس کا معائنہ کیا تو سر سید کے کارناموں سے متاثر ہوئے اور فی البدیہہ کئی رباعیاں نظم کر کے مولانا حالی کے سپرد کر دیں۔ حالی نے یہ رباعیاں پڑھ کر سر سید کو پیش کر دیں۔ سید صاحب انہیں پڑھ کر اس قدر مسرور ہوئے کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور اپنے موقر اخبار ''علی گڑھ گزٹ'' میں شاد عظیم آبادی کی رباعیات کو مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیا:

> ''اس ہفتہ میں جناب مستطاب سید علی محمد شاد، رئیس پٹنہ (جو اپنے کمالات میں مشہور بے مثال ہیں) دھلی سے مراجعت کرتے وقت علی گڑھ میں اترے، اور مدرسۃ العلوم کے بنگلہ میں مہمان ہوئے۔ مدرسہ اور بورڈنگ کو ملاحظہ کر کے نہایت اظہار مسرت کیا اور معائنہ کے وقت دس بارہ پاکیزہ رباعیاں عالی مضامین کے ساتھ تصنیف فرمائیں، جن کو میں نہایت خوشی اور شکر گزاری کے ساتھ ذیل میں چھاپتا ہوں۔ (۳)

قارئین کرام کی دلچسپی کی خاطر میں شاد کی دو تین رباعیاں یہاں درج کرتا ہوں۔ ان سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ شاد کے دل میں سر سید کی کیا وقعت و اہمیت تھی۔ اور وہ کس طرح ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

سرمایۂ عمر جاودانی ہے یہی
اس قوم کی دلچسپ کہانی ہے یہی
اب صفحۂ دنیا سے مٹے گی نہ کبھی
سید تری ہمت کی نشانی ہے یہی

Marfat.com

سید بھی فدائے قوم ہے جد کی طرح
کی کس نے کد اس وقت تک اس کد کی طرح
اللہ سے میری یہ دعا ہے اے شاد
محمود ہو تو قوم سید احمد کی طرح

*

حقا کہ وہ جادۂ وفا سے بھی پھرا
احباب و عزیز و اقربا سے بھی پھرا
جو تجھ سے ہوا منحرف، اے مرکز علم!
سچ پوچھ تو خانہ خدا سے بھی پھرا۔

*

علی گڑھ کے دوران قیام شاد عظیم آبادی کے اعزاز میں اسٹریچی ہال میں ایک جلسے کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس موقع پر شاد نے اسلام کے موضوع پر اپنی طویل تازہ نظم سنائی۔ اس یادگار تقریب میں مولانا حالی، مولانا شبلی اور پروفیسر آرنلڈ جیسی اکابر ہستیاں بھی موجود تھیں۔ نظم اس قدر بلند پایہ اور عمدہ خیالات کی حامل تھی کہ سبھی نے بجا تعریف کی۔ پروفیسر آرنلڈ نے تو یہاں تک کہا کہ "میں نے اسلام کے متعلق ایسی عمدہ نظم نہیں سنی۔" (۴)

شاد عظیم آبادی تصنیف و تالیف کے علاوہ قومی خدمات سے بھی شغف رکھتے تھے۔ پٹنہ میونسپلٹی کے وارڈ ممبر مقرر ہوئے اور اپنے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دیے کہ حکام نے انہیں میونسپل کمشنر بنادیا۔ اہالیان شہر کی بہبودی اور بھلائی کی فکر انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی اور اکثر ان کی خاطر شاد میونسپلٹی کے چیئرمین سے لڑ جاتے۔

انہیں قوم کا درد بے طرح تھا۔ چاہتے تھے کہ قدیم رسوم و رواج کا قلع قمع کیا جائے اور حالات حاضرہ کے تحت زندگی بسر کی جائے۔ انہوں نے ۱۸۷۵ء میں موقوفی رسومات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی اور تمام روسا کو جمع کر کے اس بات کی تلقین کی کہ فضول رسموں کو ترک کیا جائے۔ سبھی کی یہ رائے ہوئی کہ جب تک عورتوں کی اصلاح نہ ہوگی، رسوم و رواج

Marfat.com

کا خاتمہ ناممکن ہے۔ شاد عظیم آباد نے اس خیال و تجویز کے پیش نظر ایک کتاب "صورت حال" لکھی اور اپنے خرچ سے شائع کروا کر عورتوں میں تقسیم کی۔ اسی سال موصوف نے ایک اسکول بھی قائم کیا جہاں اردو اور فارسی کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی میٹرک تک دی جاتی تھی۔

۱۸۸۹ء میں شاد عظیم آبادی مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ چونکہ صوبہ بہار کے سرکاری دفاتر میں اس وقت ہندی رسم الخط رائج تھا، لہٰذا آنریری مجسٹریٹ اسی زبان میں کارروائی کرتے۔ جب شاد عظیم آبادی اس عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے ہندی زبان میں کارروائی انجام دینے سے انکار کر دیا اور صاف صاف گورنر کو لکھ بھیجا کہ: "میں بجز اردو کے کوئی اور زبان استعمال نہیں کر سکتا"۔(۵)

گورنر نے شاد کی بات مان لی اور انہیں اردو ہی میں کارروائی انجام دینے کی اجازت دے دی۔ یہ ہندی زبان پر اردو کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔

شاد کی علمی و ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے ۱۸۸۹ء میں حکومت برطانیہ نے انہیں خان بہادر کا خطاب عطا کیا اور ایک ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔

شاد نے تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔ غزلوں اور مرثیوں کے علاوہ رباعیاں اور نظمیں بھی لکھیں۔ لیکن ان کی شہرت کا دارومدار غزل گوئی اور مرثیہ نگاری پر ہی موقوف ہے۔ ان کے کلام میں سلاست زبان اور بیان کی سادگی کے ساتھ فصاحت کی چاشنی بھی نمایاں ہے۔ خیالات کی گہرائی، جذبات کی صداقت، احساسات کی شدت، حسن و عشق کی صحیح ترجمانی، تصوف اور فلسفہ کی رنگ آمیزی، درد و حسرت کی مصوری ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ محاورات کا برمحل استعمال ان کے کلام کی خوبیوں کو اور بھی دوبالا کر دیتا ہے۔

حسب ذیل اشعار ان کے پاکیزہ رنگ تغزل کو پوری طرح نمایاں کر رہے ہیں:

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

Marfat.com

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

*

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

*

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

*

بلا سے تھا، کچھ شبینہ نے تھی یا ٹوٹے سبو
اور کیا اس کے سوا مستوں کے ویرانے میں تھا

*

میں حیرت و حسرت کا مارا، خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

*

کہاں یہ تاب کہ چکھ چکھ کے یا گرا کے پیوں
ملے بھرا ہوا ساغر تو ڈگڈگا کے پیوں

*

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

*

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

Marfat.com

شاد عظیم آبادی کی تصانیف کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے۔(۶) آپ کی غزلوں کا سب سے پہلا دیوان "کلام شاد" کے نام سے ۱۹۲۳ء میں اردو کے مشہور محقق قاضی عبدالودود نے مطبع جامعہ علی گڑھ سے شائع کیا تھا۔ بعد میں حمید عظیم آبادی مرحوم نے اسے مرتب کر کے ۱۹۳۸ء میں "میخانہء الہام" کے نام سے شائع کیا۔ اور اس کا دوسرا ایڈیشن سکھر سے ۱۹۶۰ء میں ان کی نگرانی میں طبع ہوا۔ اس مجموعے کے علاوہ "مجموعہء مراثی" (۲ر جلد) مجموعہء رباعیات مع منظوم انگریزی ترجمہ، مجموعہء قطعات، مجموعہء مسدسات چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

شاد نے شاعری کے علاوہ نثر نگاری کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی تھی۔ ان کی جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں تاریخ صوبہ بہار، نوائے وطن، نصائح صبیان، نقش پائیدار (۳ جلد)، صورت الخیال (۳ جلد) اردو تعلیم، فکر بلیغ اور حیات فریاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(۷)

شاہ عظیم آبادی کے تلامذہ کی تعداد تو خاصی بڑی ہے مگر ان شاگردوں میں مرزا یاس یگانہ چنگیزی عظیم آبادی مشہور و معروف ہیں۔ یہ پٹنہ کے ایک محلہ مغل پورہ کے رہنے والے تھے اور تغزل میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کا مندرجہ ذیل شعر خاصا مشہور ہے۔

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

شاد عظیم آبادی ایک طویل عرصہ تک اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے کے اکاسی برس کے سن میں ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

حواشی

۱۔ مختصر تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر سید اعجاز حسین، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، پہلا پاکستانی ایڈیشن، ۱۹۵۶ء، ص ۱۷۷۔

Marfat.com

۲-شاد کی کہانی شاد کی زبانی، مرتبہ پروفیسر مسلم عظیم آبادی، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۲۔

۳-علی گڑھ گزٹ، ۱۷ دسمبر ۱۸۸۹ء ص ۲

۴- شاد کی کہانی شاد کی زبانی-ایضاً، ص ۵

۵-ایضاً

۶- مطالعہ شاد از پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطاکاکوی، عظیم الشان بک ڈپو پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۔

۷- بہار کی چند شخصیتیں از شاہ ولی الرحمٰن ولی کاکوی، مطبوعہ نقوش لاہور، شخصیت نمبر ۲، اکتوبر ۱۹۵۶ء، ص ۱۳۴۵۔

❖❖❖

Marfat.com

خدیو تفکر جوش ملیح آبادی

سید عباس حسین کاظمی*

زانوئے فکر پہ رکھی ہوئی پیشانی جوش
زحلِ آفاق پہ قرآں ہے، کوئی کیا جانے

حضرت جوش ملیح آبادی بیسویں صدی کے ایک ایسے بلند پایہ مفکر، عقل افروز دانش مآب ادیب، اور جدت پسند انقلاب آفرین شاعر تھے جن کی زندگی میں ان کے عقید تمند متعدد شعرا نے ان کی شان میں قصیدے لکھے۔ معروف شاعر، دانشور، ادیب، مفکر' مرحوم رئیس امروہوی نے بھی جوش کی شان میں بہت خوبصورت اور ادب کے حوالے سے ایک شاہکار قصیدہ کہا تھا اس مضمون کی طوالت کے پیش نظر اس کا صرف ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

جوش اک نغمہ گرِ الہام جیتا جاگتا
جوش اپنا، حافظ و خیام جیتا جاگتا

لیکن شاعر شباب، شاعر انسانیت، شاعر انقلاب' جوش ملیح آبادی اس شعر کے برعکس اپنی زندگی میں خود کو مرحوم لکھتے تھے۔ ہاں! وہ نغمہ گرِ الہام شاعر، حقیقت میں اب مرحوم ہو چکا ہے۔ لیکن جوش نے اپنی بلندی فکر، آزاد خیالی، راست گفتاری، ولولہ انگیز روحانی اور انقلابی شاعری کے ذریعے آزادی کے متوالوں، پرورش لوح و قلم کرنے والوں، علمی و ادبی سرمائے سے استفادہ اور اس کا تحفظ کرنے والوں کے لیے فکر و ادراک اور الفاظ و معانی کے ایسے دریا بہادیئے ہیں، جن سے تشنہ کامان شوق، بقدر ظرف محبت رہتی دنیا تک سیراب ہوتے رہیں گے، انہوں نے غور و فکر کرنے والوں کے لیے ادب کی راہ میں ایسے چراغ روشن کر دیئے ہیں جن کی روشنی سے ظلمتیں چھٹتی رہیں گی۔ جوش کے لوح مزار پر مفکر عصر کے الفاظ کندہ ہیں اسی مناسبت اور جوش کی بلند پایہ شخصیت اور ان کی ادبی خدمات سے متاثر ہو کر

* ۴۳۴ ۱۱۱۔بی خرم کالونی مسلم ٹاون۔راولپنڈی

Marfat.com

نیز اپنی کم فہمی کا اقرار کرتے ہوئے اس مضمون میں ان کی شایان شان ایک نئے خطاب "خدیو تفکر" سے ان کو اس لیے متعارف کرایا جارہا ہے کہ ان کی نظم ونثر ہمارے لیے ایک ایسا ادبی سرمایہ ہے جو نہ صرف سوز حیات کی گتھیاں سلجھانے بلکہ اسرار کائنات پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جوش کی نظم طلوع فکر میں وحدانیت اور معرفت الٰہی سے بھرپور یہ بند ملاحظ فرمائیے "تخاطب ہے حضرت علیؑ سے"

پرکھے گا تیرا علم ہی اس کائنات کو
جانچے گی تیری عقل ہی خون حیات کو

وہ تو ہے جو کھرچ کے نقوش صفات کو
دیکھے گا اک حکیم کی مانند ذات کو

"بے حد" کو حبس خانۂ حد سے چھڑائیگا
تو کبریا کو دام عدو سے چھڑائیگا

جوش کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد بوجوہ ان پر مختلف ادبی اور ذاتی اعتراضات کیے جاتے رہے ہیں لیکن اعتراض کرنے والے جوش ایسے قد آور شخصیت کے مقابلے میں ادبی لحاظ سے بونے نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام اصناف سخن کی قلمرو میں باد مخالف کے باوجود جوش کی شاعری کا پرچم پوری تمکنت اور آب وتاب کے ساتھ آج بھی لہرا رہا ہے۔

دل رسم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے
اسلوب سخن نیا نکالا ہم نے
ذرات کو چھوڑ کر حریفوں کے لیے
خورشید پہ بڑھ کر ہاتھ ڈالا ہم نے

Marfat.com

یوں تو جوش کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن ابھی بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے۔ ہندوستان میں مختلف یونیورسٹیوں مثلاً پٹنہ یونیورسٹی، علیگڑھ یونیورسٹی اور لکھنو یونیورسٹی میں جوش ملیح آبادی پر پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جارہے ہیں یقین ہے کہ پاکستان میں بھی ایک ایسا وقت ضرور آئیگا جب ہم دیگر ترقی یافتہ ممالک کے مشاہیر کی طرح اپنے اس انقلابی شاعر انسانیت کو مشاہیر عالم میں اس طرح روشناس کرائینگے جس سے جوش کو ان کا جائز مقام حاصل ہو جائیگا۔ ہر کلام چونکہ اپنے متکلم کی صفات و کمالات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس حوالے سے اگر ہم جوش کی شاعری کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں اور حقیقت بین نظر سے دیکھیں تو جوش کے تمام اصناف سخن کو مختصراً تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے، جن میں پہلا حصہ ان کی غزلوں اور قطعات پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ ان کی رومانی اور انقلابی نظموں اور قطعات سے متعلق ہے اور تیسرا حصہ جوش کے معرکتہ آلارا مرثیوں، سلاموں اور رباعیات کیلیے مخصوص ہے جو ہمارے لیے ادب کا بہت بلند مرتبہ اور گراں بہا سرمایہ ہے۔

جوش کی غزلوں میں کلاسکی حسن کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو دیگر نامور شعرا کی غزلوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ لب و لہجہ اور تمکنت بھی ملتی ہے جو جوش کی شاعری سے مخصوص ہے۔ ملاحظہ کیجئے جوش کی مختلف غزلوں کے چند اشعار :

غضب ہے یہ ادا' ان کی دم آرائش گیسو
جھکی جاتی ہیں آنکھیں، خود بخود شرمائے جاتے ہیں
کوئی حد ہی نہیں، اس احترام آدمیت کی
بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں
سوز غم دے کے مجھے، اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکش دہر سے آزاد کیا
اتنا مانوس ہوں فطرت سے کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا، مجھ سے کچھ ارشاد کیا

Marfat.com

مجھکو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو، شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا
نظر ہو خواہ کتنی ہی حقائق آشنا پھر بھی
ہجوم کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے
سمجھتی ہیں مآلِ گل، مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

اس غزل میں بھی کلاسکی حسن کی تمام خوبیاں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیے دو شعر:

جو بہار ملتی تو پوچھتا کہ کہاں وہ کیف نظر گیا
وہ صبا کی شوخیاں کیا ہوئیں، وہ چمن کا حسن کدھر گیا
تمہیں آہیں سننے کا شوق تھا مگر اب بتاؤ کرو گے کیا
جو کراہتا تھا تمام شب وہ غریب جوشؔ تو مر گیا

اور ذرا ان اشعار میں جوشؔ کی تمکنت ملاحظہ کیجئے۔

مجھ کو وہ بخشتے تھے دو عالم کی نعمتیں
میرے غرورِ عشق نے انکار کر دیا
جہاں بھی روک لے، منظر وہیں ٹھہر جاؤں
عرب کی بات نہیں ہے، عجم کی بات نہیں
خود اپنا ذوقِ اسیری ہے پاؤں کی زنجیر
حضور! آپ کی زلفوں کے خم کی بات نہیں
میرے وجود کی بنیاد ہے عبادت پہ
بہارِ کوثر و باغِ ارم کی بات نہیں

اب ذرا جوش کا مفکرانہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیے

کنارہ کر رہا ہے، روح سے ہیجانِ سرتابی
کہ گردن جستجو کے ذوق میں خم ہوتی جاتی ہے

Marfat.com

نہ جانے سینۂ احساس پر یہ ہات ہے کس کا
طبیعت بے نیاز شادی و غم ہوتی جاتی ہے
سمجھ میں آتیں کیا باریکیاں قانون قدرت کی
عبارت کثرت معنی سے مبہم ہوتی جاتی ہے

اور پھر ملاحظہ کیجیے یہ شعر:

ملا جو موقع، تو روک دونگا، جلال روز حساب تیرا
پڑھونگا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا

جوش کی بصیرت افروز بلندی فکر کو اس شعر میں بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

جوش نے نہایت موزوں طبیعت پائی تھی قدرت نے انہیں شستہ ذوق سخن عطا کیا تھا، نمود و نمائش اور غرور جوش کی فطرت ہی میں نہیں تھا۔ وہ نہایت باذوق اور ذی علم شخصیت کے مالک تھے اور نظم و نثر میں یکساں طور پر اعلیٰ پایہ کا ذوق رکھتے تھے۔ لفظوں میں واقعیت اور حقیقت کا رنگ بھرنے کی مکمل صلاحیت ان میں موجود تھی۔ ان کے کلام میں جذب و اثر، جدت و ندرت کے حوالے سے بلا کی پختگی پائی جاتی ہے۔ ۱۹۰۷ء میں جوش نے صرف نو سال کی عمر میں پہلا شعر کہا تھا اور ۱۹۲۰ء میں اردو ادب کے نام سے ان کی حسین تصنیف شائع ہوئی اس میں شامل ایک حسین و جمیل قطعہ ملاحظہ فرمایئے:

تاریک رات اپنی سیاہی میں جس طرح
ہے التجائے نور کو پنہاں کیے ہوئے
یوں ہی تیرے خیال میں بیٹھا ہوا ہوں میں
آنکھوں کو بند، دل کو فروزاں کیے ہوئے

جوش نے اپنے روشن خیالات، جذبات، احساسات اور واردات قلبی کو شعر کے سانچے میں ڈھال کر انسانی حیات کو ایک ایسا روپ دیا ہے جس سے خانقاہ میں بیٹھے ہوئے زہاد،

Marfat.com

"خاموش منش صوفی، فلسفی، رند، عاشق، مصلح، مولوی، سیاست داں، انقلاب کے حامی، بہادر، انقلاب کے مخالف، بزدل، امر حق کا اعلان کرنے والے، بہادران صف شکن، شاہان کج کلاہ سب ایک ہی اشارے، ایک ہی کنائے میں جوش کی بات کو اپنے دل کی بات سمجھ کر حسب مطلب و صلاحیت! تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور حسب خواہش اقدام کرتے ہیں۔

یہیں سے جوش کی رومانی اور انقلابی نظموں کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

مرد کہتے ہیں اسے اے بندگان طمطراق
جو جلال برق و باراں کا اڑاتا ہو مذاق
مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لیے

یا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

سنو! اے بستگان زلف گیتی
ندا یہ آ رہی ہے آسمان سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

شاعر عاقل، انسان کو اندھیروں سے اجالوں کیطرف اور جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنی کی طرف لاتا ہے جوش کو جہالت سے نفرت تھی ملاحظہ کیجئے:

ذہنی مردوں سے دل لگاؤں کیونکر
چلتی لاشوں کے پاس جاؤں کیونکر
مجرم ہو تو لاکھ بار کرلوں برداشت
احمق کا مگر بار اٹھاؤں کیونکر

شاعر کے احساسات، جذبات اور واردات قلبی اور ایک عام انسان کے جذبات و احساس میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے یہ فرق ہمیں جوش کی روحانی اور انقلابی نظموں میں جگہ، جگہ ملتا ہے جس کی وجہ سے ہر دل کو اس میں اپنی دھڑکن سنائی دیتی ہے اور ہر شخص اپنے دل میں کسک

Marfat.com

محسوس کرتا ہے۔ فرق ملاحظہ کیجئے انسانی جذبات کا۔ یہ بر صغیر کا واقعہ ہے ایک دور افتادہ انتہائی پس ماندہ کوئی مقام ہے جہاں شدید دھوپ پڑ رہی ہے گرمی کا موسم اور تمازت آفتاب اپنے پورے شباب پر ہے کہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی بھوک سے تنگ آکر اجرت پر سڑک کوٹ رہی ہے اور سر سے پا تک پسینے سے شرابور ہے دو دوست اس جگہ سے گذرتے ہیں اس منظر کو دیکھتے ہیں آپس میں اس وقت کے ہندوستان کی حالت زار پر افسوس کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں کہ اتنی حسین لڑکی بھوک سے تنگ آکر دھوپ میں مزدوری کر رہی ہے۔ اب جوش اس راستے سے گذرتے ہیں لڑکی کو سڑک کوٹتے ہوئے دیکھکر بے ساختہ کہتے ہیں:

ایک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بیقرار
چوڑیاں بجتی ہیں کنکر کوٹنے میں بار بار
ہو رہا ہے جذب لہر خونچکاں کے روبرو
کنکروں کی نبض میں اٹھتی جوانی کا لہو
آسمان جانِ طرب کو وقف رنجوری کرے
صنف نازک، دھوپ میں تنگ آ کے مزدوری کرے
نازنینوں کا یہ عالم مادرِ ہند آہ آہ
کس کے جور ناروا نے کر دیا تجھ کو تباہ
فرط خشکی سے وہ لب ترسیں تکلم کیلئے
جن کو قدرت نے تراشا ہو تبسم کیلئے

اے خدا ہندوستاں پر یہ نحوست تا کجا
آخر اس جنت پہ دوزخ کی حکومت تا کجا
دستِ نازک کو رسن سے اب چھڑانا چاہیئے
اس کلائی میں تو کنگن جگمگانا چاہیئے

"فتنہ خانقاہ" کے عنوان سے جوش صاحب کی طویل نظم ایک ایسا ادبی اور فکر انگیز سرمایہ ہے جس سے انسان کے ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اس نظم میں ہمیں دو

Marfat.com

کردار نمایاں نظر آتے ہیں۔ پہلا کردار ایک انتہائی حسین و جمیل باعصمت و عفت لڑکی کا ہے جو انتہائی عقیدت سے دعا مانگنے کے لیے خانقاہ میں آتی ہے۔ دوسرا کردار خانقاہ میں برسوں سے بیٹھے ہوئے زہاد کا ہے جو اللہ ھو کی صدا بلند کر رہے ہیں اس حسین موقع کی منظر کشی جوش صاحب نے جس انداز سے کی ہے وہ قابل داد ہے لگتا ہے یہ واقعیت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ یہ منظر کشی ہر انسان کے دل میں گداز اور تڑپ پیدا کرتی ہے اور آخر کار زاہدان رنگ و بو کے ہاتھوں سے تسبیح گر جاتی ہے اور کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ بن جاتا ہے

اک روز بہر فاتحہ اک بنت مہر و ماہ
آئی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ
زہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ
ہونٹوں میں دب کے ٹوٹ گئی ضرب لاالٰہ
پیدا، ضمیر زہد میں کہرام ہو گیا
ایماں دلوں میں لرزہ براندام ہو گیا
اس آفت زمانہ کی سرشاریاں نہ پوچھ
نکھرے ہوئے شباب کی بیداریاں نہ پوچھ
رخ پر ہوائے شام کی گل کاریاں نہ پوچھ
کاکل کی ہر قدم پہ فسوں کاریاں نہ پوچھ

عالم یہ تھا خرام میں اس گلعذار کا
گویا نزول رحمت پروردگار کا
گردن کے لوچ میں خم چوگاں لیے ہوئے
چوگاں کے خم گوئے دل و جاں لیے ہوئے
رخ پر لٹوں کا ابر پریشاں لیے ہوئے
کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآں لیے ہوئے

Marfat.com

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا تو نکل رہی تھی دل خانقاہ سے
ہاتھ اس نے فاتحہ کو اٹھائے جو ناز سے
آنچل ڈھلک کے رہ گیا ، زلف دراز سے
جادو ٹپک پڑا، نگہ دل نواز سے
دل ہل گئے جمال کی شان نیاز سے
پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ ایک سمت مڑ گئی
اک پیر کے تو ہاتھ سے تسبیح گر گئی

اور آخر کار

آغوش مہر و ماہ کی گویا پلی ہوئی
سانچے میں آدمی کے گلابی ڈھلی ہوئی

کی وجہ سے کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ بن گیا دل میں گداز اور تڑپ پیدا کرنے والی جوش کی اس نظم کے ہر بند پر ایک مبسوط مضمون لکھا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں جوش کی حوصلہ افزا اور خون میں حرارت پیدا کرنے والی شاعری نے ہندو مسلم، سکھ عیسائی سب کے دلوں کو برما دیا تھا اور انگریزوں کے خلاف ایک انقلاب آفریں پیغام بن گئی تھی انہوں نے سامراجی طاقتوں کو للکارا اور رجعت پسندی کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن گئے۔

خواب کو جذبہ بیدار دیئے دیتا ہوں
قوم کے ہاتھ میں تلوار دیئے دیتا ہوں

اور پھر یہ نعرہ

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

اور جیسے ہی دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو انگریزوں کے خلاف ۱۹۳۹ء میں

Marfat.com

ایک "نظم ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب" نے سارے ہندوستان میں حریت و آزادی کا ایسا جذبہ پیدا کیا کہ آخر کار انگریزوں کو ہندوستان چھوڑ کر بھاگنا پڑا جب ہٹلر اتحادی فوجوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اسی وقت انگریز مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم مسجدوں میں ہماری فتح کیلئے دعائیں مانگو، ہندوؤں سے کہتے تھے کہ ہماری فتح کے لیے مندروں میں بھجن گاؤ، اور "وی برائے وکٹری" لگاؤ اس لیے کہ ہٹلر انسانیت کو تباہ کر رہا ہے۔ مگر جوش نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی تمکنت کے ساتھ کہا:

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج تم سوداگرو
دہر میں انسانیت کے نام کو زندہ کرو
ہاتھ ہے ہٹلر کا رخشِ خود سری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو جرمنی کی آگ پر
سخت حیراں ہوں کہ محفل میں تمہاری اور یہ ذکر
نوعِ انسانی کے مستقبل کی اب کرتے ہو فکر
جب یہاں آتے تھے تم سوداگری کے واسطے
نوعِ انسانی کے مستقبل سے کیا واقف نہ تھے
دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم
سرد لاشوں سے گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم
اللہ اللہ کس قدر انصاف کے طالب ہو آج
میر جعفر کی قسم، کیا دشمنِ حق تھا سراج
مجرموں کے واسطے زیبا نہیں ہے، شور و شین
کل یزید و شمر تھے اور آج بنتے ہو حسینؑ
اب کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی

فکر و فن اور شاعرانہ تمکنت کی جو حسن کاریاں جوش کے کلام میں ملتی ہیں اور انہوں نے

Marfat.com

اپنی شاعری میں لفظوں کو جو رنگ و نور بخشا ہے، افکار و احساسات کو جس طرح لطیف الفاظ میں ڈھالا ہے۔ آج کے دور کا کوئی شاعر ان کی قادر الکلامی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

گاہ دل، اتنی لطافت میں ڈبوتا ہے مجھے
چاندنی کا وزن بھی محسوس ہوتا ہے مجھے

ادب، انسانیت اور انسانی قدروں کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔ ہندوستان کے اس وقت کے حالات و واقعات سے متاثر ہو کر ان واقعات کو یا آیندہ رونما ہونے والے ایسے واقعات کو جوش نے ایک "تازہ کربلا" کے نام سے موسوم کر کے تمام دنیا کی نظروں کو کربلا اور شہادت امام حسینؑ کی طرف موڑ دیا ہے اس طرح جوش نے شاعری میں جدید مرثیے کا اضافہ کر کے ایسے انسانوں کو جو بہادر ہیں، مرد میدان ہیں اور سر سے کفن باندھ کر حق کی راہ میں امام حسینؑ کی پیروی کرتے ہوئے سر دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں جوش نے یہ پیغام دیا ہے:

زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی وسعتوں میں آسماں بن کر رہو

جوش کو دنیا کیا کہتی ہے ہمیں اس سے غرض نہیں، جوش اپنے متعلق کیا کہتا ہے:

اک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا
اس راہ سے گذرے ہیں جو نام آور و یکتا
حالات بھی کچھ ان کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا
اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو الٹا
فہرست میں ایک نام تھا، جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو، کہ وہ نام حسینؑ ابن علی تھا

اس کے بعد جوش کی امام حسینؑ سے محبت، عقیدت اور مودت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا انہوں نے قرآن پاک، احادیث حضور اکرمؐ اور اقوال ائمہ معصومینؑ کا نگاہ بصیرت سے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوش نے سورہ رحمٰن کا منظوم ترجمہ کیا' حضور اکرمؐ کی شان میں کئی نعتیں تحریر کیں اور ائمہ معصومینؑ کی منقبت میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے چند

Marfat.com

نمونے : نعت کا صرف ایک بند :

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
حشر تک طالع رہے گی تیرے جلووں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا، اے ہادی نوع بشر
مرد یوں مہریں لگاتے ہیں جبین وقت پر
کروٹیں دنیا میں تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

جوش نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی لازوال شہادت اور شہیدان کربلا کی استقامت قلب سے انسانی حیات کو تازہ خون بخشا ہے۔

رنگ رخسارہ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نام حسین ابن علی آتا ہے
کربلا قلعہ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا
فکر حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی
جوئے خوں میں جو دلیروں کے سفینے آئے
چند پیاسے جو لہو، موت کا پینے آئے
مرد جب سر سے کفن باندھ کے جینے آئے
شہریاری کو پسینے پہ پسینے آئے
نبض آفاق ابلیس ہوس چھوٹ گئی
فقر کی ضرب سے شاہی کی کمر ٹوٹ گئی
چشم غمناک میں تھا پرتو روئے شبیر
سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اک تیر

Marfat.com

برق جوالہ کی تھی موج ہوا میں تاثیر
اور اس نقطۂ حدت پہ کھڑے تھے شبیرؑ
کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برماتی ہے
سینہ برف سے بھی آنچ نکل آتی ہے

جوش ملیح آبادی کے مایۂ ناز مرثیے نہ صرف ہمارے افکار کو جلا بخشتے ہیں بلکہ ہمیں عظمت انسانی، عزم و ہمت، بلند حوصلگی، بے خوفی، شجاعت اور صبر و استقلال کا درس دیتے ہیں۔ حضور اکرمؐ، آئمہ معصومین علیھم السلام اور شہدائے کربلا نے موت کو حیات ابدی میں تبدیل کر دیا

اے محمدؐ، اے سوار توسن وقت رواں
اے محمدؐ اے طبیب فطرت و نباض جاں
اے محمدؐ اے فقیہ نفس و نقاد جہاں
موت کو، تو نے، وہ بخشی آب و تاب جاوداں
زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
لوگ پیغام اجل کی، آرزو کرنے لگے
خاک کے ذرات کو تو نے ثریا کر دیا
آگ کو پانی کیا' پانی کو صہبا کر دیا
موت سی کالی بلا کو رشک سلمٰی کر دیا
آخری ہچکی کو گلبانگ مسیحا کر دیا
سر سے خوف نیستی کی یوں بلائیں ٹال دیں
آدمی نے موت کی گردن میں باہیں ڈال دیں
آشنا بحر صداقت کا حسینؑ ابن علی
مدرسہ درس شہادت کا حسینؑ ابن علی
معجزہ فکری نجابت کا حسینؑ ابن علی
حوصلہ تیری نبوت کا حسینؑ ابن علی

Marfat.com

جس نے مجھے دی نہ شمع آدمیت وہ حسینؑ
سانس جس کے دم سے لیتی ہے بشیت وہ حسینؑ

جوش عزادران حسین کے دلوں کو جھنجوڑتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

"زندگی و موت محمدؐ و آل محمدؐ کی نظر میں"

کہہ رہا ہے یہ ارے کون باندازِ سروش
کہ بس امروز ہے، امروز، نہ فردا ہے نہ دوش
کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش
میں حسین ابن علی بول رہا ہوں، اے جوش
بخش دے آگ، میرے سرد عزاداروں کو
ہاں جگاؤ لب میں سوئی ہوئی، تلواروں کو

جوش نے انسانی دل و دماغ میں مردانگی کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

کربلا بہر عمل نعرہ زناں ہے اب تک
کربلا گوش بر آواز یلاں ہے اب تک
کربلا منتظر صف شکناں ہے اب تک
کربلا، جانب انساں، نگراں ہے اب تک

داد غم ایک بھی جانباز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے

اور پھر جوش نے لبیک کہا اور خود تیاری کر لی جانے کی۔

منظور ہے خدا کو تو پہنچوں گا روز حشر
چہرے پہ خاک مل کے در بوتراب کی

اور پھر جوش پہنچ گئے۔

Marfat.com

لے وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
اے جوش نکتہ سنج، مری انجمن میں آ
آ اور جھوم جھوم کے نغمات نو سنا
ساقی میرا سلام ادب سے کہ میں چلا
مولائے کائنات اور آواز دے مجھے
اے جبرئیل! قوت پرواز دے مجھے

جوش تو اس دنیائے فانی سے چلے گئے اور ہر متنفس کو اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے لیکن جوش کا محمدؐ و آل محمدؐ کی شان میں کہا گیا کلام انسانوں کی زبان پر قیامت تک جاری رہے گا اور جب تک شعور انسانی بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک کائنات کا ذرہ ذرہ جوش کے اس شعر کو باآواز بلند پڑھتا رہے گا۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مآخذ

اس مضمون میں درج ذیل کتب وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

روح ادب، شعلہ و شبنم، الہام و افکار، موجد و مفکر، نقوش غزل نمبر ۱۹۶۰، جوش کے مراثی مرتبہ سید ضمیر اختر نقوی، جوش کی گیارہویں برسی کے موقع پر بہ سلسلہ تقریب رونمائی، محراب و مضراب سے متعلق مجلہ، نشان زدہ قطعہ کا تیسرا مصرع جوش صاحب نے میرے اس مصرعے کے صلے میں عطا کیا تھا (اگرچہ میں شاعر نہیں ہوں)۔

یوں ہی غم حسینؑ میں بیٹھے ہوئے ہیں ہم
آنکھوں کو بند دل کو فروزاں کیے ہوئے

میں نے ایک مضمون میں جو ڈاکٹر ہلال نقوی کے زیر ادارت کراچی سے شائع ہونے والے سہ ماہی رثائی ادب ۱۹۹۸ء کے گیارہویں شمارے میں طبع ہوا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

❖❖❖

Marfat.com

پیغام آشنا

ظفر عباس

پیغامِ آشنا ملا، پیغامِ آشنا
احسانِ کردگار عجب ہم پہ یہ ہوا
آئین اس جہان میں اپنا تو پیار ہے
منشور اس زمانے میں اپنا تو ہے وفا
صد آفرین محبت اردو و فارسی
ایران و پاک دوستی صد بار مرحبا
پیغامِ آشنا سنو، پیغامِ آشنا
مہر و وفا خلوص بھری پیار کی نوا
علم و ادب، نفاست و انسان دوستی
ہر حرف خوش جمال سے آتی ہے یہ صدا
بیٹھے تھے ہم تو ہار کے ساری متاعِ زیست
پیغامِ آشنا نے دیا پھر سے حوصلہ
چھایا ہے یوں تو درد میرا کائنات پر
پیغامِ آشنا ہے میرے درد کی دوا
جو بھی کلامِ دوست ہے وہ خوش خصال ہے
پیغامِ آشنا دلِ مشتاق کی بقا

Marfat.com

زندگی صحرا، ہوں تنہا، ہمسفر کوئی نہیں

(ایک انشائیہ)

جاوید اقبال قزلباش*

اس لق ودق صحرا میں اکیلا تنہا اور وحید ہوں۔ کبھی تشنگی کا احساس، کبھی سرابوں کا تعاقب کبھی درندوں کا خوف تو کبھی تمازت آفتاب کی اذیتیں، میں اکیلا مسافر ہوں، میرا ہمسفر ہمقدم اور ہم نفس کوئی نہیں! لگتا ہے تنہائیوں کے ایک عظیم سمندر میں کمزور تنکے کی طرح زمانے کی پر شور امواج سے نبرد آزما ہوں۔ کس نے یہاں بھیجا، کون لایا' کیوں آیا، منزل کہاں ہے ؟ سوچتا ہوں ان سوالوں کا جواب کس سے حاصل کروں۔

کسی تنکے اور نہال کی طرح کمزور تھا۔ تو اس وقت بھی تنہا تھا اور آج جب تناور درخت بن چکا ہوں تب بھی درد تنہائی جھیل رہا ہوں۔ ایک ایسا تنہا درخت جو درختوں کے گھنے جنگل میں بھی اکیلا۔ بچپن کے دنوں میں جب کبھی میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا تو یکایک مجھے ٹیم میں اپنے اکیلے پن کا احساس ہونے لگتا۔ جیسے دوسرے بچے چلتی پھرتی مورتیاں ہیں اور میں ان میں ایک اکیلا متنفس ہوں۔ جس سے کسی کو کوئی سروکار نہ ہو اور تب رات کی تنہائیوں میں نیلگوں آسمان کی سیاہ دبیز پرچھائیوں میں چمکتے ستاروں کی تنہائیوں کا درد مجھے سونے نہ دیتا۔ سوچتا تھا یہ ستارے بھی تو اپنی انجمن میں میری ہی طرح تنہا، اکیلے اور ویران ہیں! مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے ؟ یہ چمکتے ہیں اور میں اس صحرا میں ایک ذرہ ہوں جس کو تابش اور چمک کی تلاش میں ایک طولانی سفر درپیش ہے۔ ایسا سفر جس میں کوئی ہمسفر نہیں۔ اس وسیع پہناور کائنات میں میں اپنی پہچان کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ کیا تمام انسان یونہی اکیلے اکائیوں کی صورت میں خود کو تلاش کرتے ہیں۔ تناور درختوں کے جھنڈ تو اپنی ایک پہچان

*مترجم' قلمکار اور شاعر' اسلام آباد

Marfat.com

رکھتے ہیں کہ وہ اپنی گھنیری چھاؤں میں مسافروں کو پناہ دیتے ہیں۔ کیا میں بھی ایک ایسا ہی تناور درخت بن سکتا ہوں؟ یا یونہی ایک معمولی سا پتہ رہوں گا جس کی چھاؤں کسی کے لئے راحت کا پیغام نہیں، کسی کے لیے امن وراحت کا سندیسہ نہیں۔ تب میں عظیم پہاڑوں کی طرف دیکھتا اور ان کے سینوں میں چھپے دکھوں کے خزینوں پر غور کرتا یہ پہاڑ عظمت کے پیکر ہیں مگر ہیں تو یہ بھی میری ہی طرح تنہا!

کتنا سکوت ہے ان کے دامن میں۔ لگتا ہے ایک آسمانی اور ملکوتی سناٹا ہے۔ مگر یہ پہاڑ، دریا، چشمے، اور نیلگوں آسمان میری تنہائیوں کا دکھ درد کیا جانیں وہ تو خود دردِ سکوت میں مبتلا ہیں۔ یہ تو خود دکھوں کی موجوں کو سینوں میں مخفی کیے جی رہے ہیں۔ دریا کی پر شور موجیں اکیلی ہوں تو خاموش ساکت اور پر سکون انداز میں آگے بڑھتی ہیں مگر جب بھی دوسری موجوں سے ٹکراتی ہیں تو شورِ دریا زندگی کی بسیط فضاؤں پر محیط ہو جاتا ہے اور موجوں کے امتزاج سے زندگی کے شور اور ہنگامے کا احساس یکایک زندہ ہو جاتا ہے۔ گویا موجیں اکیلی ہوں تو اپنے اکلاپے کا راگ خاموشی سے الاپتی ہیں اور مل جائیں تو اپنے دکھوں کے اظہار کے لیے ایک دوسرے سے گلے مل کر بین کرتی ہیں۔ مگر میں تو ایک اکیلا صحرائی مسافر ہوں۔ آج اس زندگی کے پر شور ہنگاموں میں اکیلا، اور تنہا میں کس سے اپنے دکھوں کا اظہار کروں، میری فریاد میرے نالے اور آہیں واقعتاً صدا بصحرا ہیں۔ صحرا کا مسافر جو ہوا!!!

میرے چاروں طرف ایک خاموش دوڑ ہے ایک سلگتی آگ ہے جو میری طرح کے تمام انسانوں کو چین نہیں لینے دیتی۔ زندگی کی دوڑ میں میں نے اپنی جوانی کی چتا جلا کر توانائیوں کی آگ سے ہر شے کو بھسم کر دیا۔ ہر اس شے کو جو راستے میں حائل تھی۔ میں نے اپنے لیے سب کچھ جمع کیا۔ تمام آسائشیں، تمام لوازمات، تمام سہولیات، سوچا شاید میرے درد تنہائی کا مداوا ان سے ہو جائے مگر میری جواب دیتی توانائیوں نے مجھے بتایا کہ "تنہا انسان تم ناکام ہو"۔ میرے وجدان کی صدائے بازگشت بھی یہی تھی۔ میری سلگتی آرزوؤں اور ہر لحظہ بھڑکتی تمناؤں اور طوفانی امنگوں نے تو مجھ مسافر کو ایک لحظہ سکون نہ لینے دیا۔ یہاں تک کہ اس بے سکونی کو نخلستان زندگانی میں بھی قرار نہ آیا۔ صحراؤں میں نخلستان تو زندگی کو سیراب کرتے

Marfat.com

ہیں مگر تنہا مسافر، یہاں بھی سیراب نہ ہوا۔ اس کی تشنگی ہر لحظہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ سوچتا رہا کیا اس تشنگی مسلسل کا بھی کوئی مداوا ہے؟ قدم قدم آگے بڑھتا رہا مداوا نہ ملا، تلاش بھی جاری رہی، اگلے پڑاؤ پر شاید مل جائے مگر کیا اگلے پڑاؤ پر بھی ان دردوں کا علاج موجود تھا؟ جواب نفی میں ملا۔ کسی نے کہا:-

سکوں کا لمحہ کسے ہے یہاں میسر کہ
حیات آگ ہے اور آگ مہرباں تو نہیں!

اس سفر تنہائی میں جوانی گزر گئی۔ جوانی جو طاقتوں، توانائیوں اور ہمتوں کا سرچشمہ تھی اور پھر زندگی پیری کی دہلیز پر جا پہنچی۔ تلاش بھی جاری رہی۔ مگر جو شے توانائیوں کے ہوتے ہوئے نہ ملی وہ توانائیوں کے فقدان میں کیونکر حاصل ہوتی۔ جیسے تلاش لاحاصل تھی ویسے سفر کا اختتام بھی نزدیک تھا پھر یکایک کشتی زندگانی کو جیسے طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا ہو اور پھر شام زندگی کے قریب آتے آتے بادبان پھٹ چکے، مستول ٹوٹ چکے اور اس میں جابجا سوراخ ہو گئے۔ سرکش بھنور کا زور الگ تھا جو اسے غرق کرنے کے در پے تھا۔ ایسے میں ناخدا نے سوچا ساحل تو میسر نہیں۔ سفر بھی بے نتیجہ رہا۔ اس کشتی کو ان ہچکولوں سے کیونکر نجات دی جائے؟ تب آسمانوں پر ڈوبتے آفتاب کی روپہلی کرنیں نمودار ہوئیں۔ بادلوں سے چھن چھن کر عبور کرتی کرنیں جیسے زندگی کا شفاف پیغام تھیں! جب ذرا سکون ہوا تو بوڑھے ملاح نے سوچا اب کشتی کنارے لگ جائے گی۔ مگر کشتی میں لدے دیوہیکل سامان سفر نے اسے اسقدر وزنی کر دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ پانی میں سرنگوں ہونے لگی۔ سوچتا ہوں صحراؤں کا تھکا ماندہ تنہا مسافر اور یہ بوڑھا ملاح دونوں ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔

ایسے میں اسے چرواہوں اور دہقانوں کے وہ مدھر گیت یاد آتے ہیں جو ان کی سلگتی جوانی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ گیت تو فضاؤں میں بکھر جاتے ہیں۔ اور ان گیتوں کی یادیں ہی باقی رہ جاتی ہیں صرف وہ یادیں جو زندگی کی ابدی شام تک پھیل کر اس تنہا، وحید اور اکیلے مسافر کے تھکے حوصلوں کو توانائی عطا کرتی ہیں!

ان گیتوں کے سندر بول گویا اس کی زندگی کی آخری سانسوں اور ہچکیوں کا سرمایہ

Marfat.com

ہوتے ہیں اور دکھی گیتوں کے بول جیسے دم واپسیں کی سماعتوں میں گونجتے ہیں:

زخموں سے ہے چور مسافر
اپنے پرائے چھوڑ گئے
دیس ہوا بیگانہ اپنا
اپنے سائے چھوڑ گئے
درد کہے کس سے اپنا وہ
غم کے کنارے چھوڑ گئے
پنکھ پکھیرو گیت نہ گائیں
گلشن سارے چھوڑ گئے
آنسو ہیں تقدیر میں اپنی
لیکھ ہمارے چھوڑ گئے
لوٹ کے دیکھوں ماضی اپنا
سپنے سارے چھوڑ گئے
قدرت کے دستور کی عظمت
جھلمل تارے چھوڑ گئے
میں ہوں اور اپنی یہ کہانی
اشک شرارے چھوڑ گئے!

❖❖❖

Marfat.com

چندین غم مال و حسرت دنیا چیست
ہرگز دیدی، کسی کہ جاوید بزیست
این یک نفسی در تنت عاریت است
با عاریتی، عاریتی باید زیست
(عمر خیام)

Marfat.com

اقبال شناسی

Marfat.com

Marfat.com

فکرِ اقبالؒ کے نفاذ کی راہ میں حائل مشکلات

سید سکندر عباس زیدی *

اقبالؒ ایک مرد خدا، عاشق رسولؐ عدیم النظیر محقق، بے مثال شاعر، بلند پایہ فلسفی، مایہ ناز قانون دان، پیام بر خودی اور عمیق الفکر مفکر تھے۔ ان کی تصانیف میں تمام بنی نوع انسان کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص اصلاح و انقلاب کا پیغام ملتا ہے۔ اقبال کے بقول اسلام ایک عالمی مذہب ہے جس میں سیاست اور معاشرت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اسلام کا کوئی اصول ایسا نہیں جس کا اطلاق سماجی یا سیاسی نقطہ نظر سے علیحدہ علیحدہ ہوتا ہو۔ معروف ایرانی دانشور ڈاکٹر علی شریعتی نے اقبالؒ کو غزالی ثانی کہا ہے۔

اقبالؒ نے مشرق و مغرب کے جدید و قدیم افکار کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا ذاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی حیثیت فی الواقع ترجمان القرآن کی ہے۔ جیسا کہ خود ان کا دعویٰ ہے ان کے فکر کی اساس قرآن ہے، اور ان کا پیغام بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔

آن کتاب زندہ قرآنِ کریم
حکمت او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

علامہ اقبالؒ نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرتے گزاری اس کی بدولت ان کے فکر میں بلندی آئی اور ایمان میں اضافہ ہوا:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
این کتابے نیست چیزی دیگر است

* قرطبہ سٹریٹ، لاہور

Marfat.com

علامہ اقبالؒ کا یہی قرآنی فکر آگے چل کر نظریہء پاکستان کی اساس بنا۔ ایک بڑی مشکل جو آج کے دور میں فکرِ اقبالؒ کی راہ میں حائل ہے مغربی تہذیب کے غیر صحتمند اثرات ہیں۔ اقبالؒ نے فسادِ قلب و نظر کو مغربی تہذیب کی روح کی ناپاکی کا ثمر بتایا ہے جس نے مغرب سے قلبِ سلیم کی دولت چھین لی۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوقِ لطیف

علامہ اقبالؒ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ لادینی تہذیب کی اساس ہی دین و اخلاق کی دائمی دشمنی پر ہے۔ اور ہر زمانے میں مادیت کے بتکدے میں نئے بت تراشنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

اسی طرح مغربی ثقافتی یلغار کے اثرات نہ صرف سیاسی نوعیت کے ہیں بلکہ کچھ سماجی اور نظریاتی نوعیت کے بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے فرنگی تہذیب کی مخالفت اپنی زندگی کے آخری دور میں زیادہ شدت کے ساتھ کی۔

مغربی تہذیب کی ساری تگ و دو کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ عقل کی بدولت ہے اور وہ چیز جسے علامہ عشق کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس کی یہاں مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کے بنیادی عناصر میں عقل اور مادہ پرستی شامل ہے۔ جبکہ اس کا شعار انسانیت کی تباہی اور نوعِ بشری کی ہلاکت اور پیشہ تجارت ہے۔ اس تہذیب کے ہوتے دنیا میں امن و اطمینان ممکن نہیں۔

Marfat.com

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشم او ینظر بنور اللہ نیست
او نداند از حلال و از حرام
حکمتش خام است و کارش ناتمام

ناپختہ اذہان پر مغربی تہذیب کے اثرات بہت جلد رونما ہوتے ہیں اسطرح میڈیا کی ترقی ان اثرات کو برق رفتاری سے پھیلا رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ثقافت اور اس کی روح کو میڈیا سے بھرپور طریقے سے اجاگر کیا جائے۔

نفاذ فکر اقبال کی راہ میں حائل موجودہ سیاسی نظام بھی برابر کا شریک ہے۔ قانون سازی کے لیے منتخب عوامی نمایندوں کی بڑی تعداد جاگیردار اور سرمایہ دار افراد پر مشتمل ہے۔ وہ کبھی بھی ایسے نظام کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار نہیں لائیں گے جن کی بنیاد فکر اقبال پر قائم ہو۔ کیونکہ ان کے اکثر نظریات تو فکر اقبال سے متصادم ہیں۔ استعماری قوتیں جن کا عمل دخل ہر شعبہ زندگی میں بہت زیادہ ہے وہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتیں کہ ایسی قانون سازی ہو جس سے فکر اقبال کا عملی نفاذ ممکن ہو سکے۔

پہلے تو یہ بات قابل وضاحت ہے کہ فکر اقبال کا نفاذ کون کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ عوام یا حکومت' بدقسمتی سے پاکستان کے عوام میں شرح خواندگی کا تناسب مایوس کن حد تک کم ہے۔ اس طرح بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ فکر اقبالؒ کیا ہے اور اس کا نفاذ کس قسم کے لوگ کر سکتے ہیں۔ موجودہ سیاسی نظام میں اسلام سے متصادم قوتوں اور ممالک کے باعث فکر اقبال کا نفاذ مشکل ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم اپنے فیصلے خود کرنا شروع کر دیں گے تو فکر اقبالؒ کا نفاذ بھی آسان ہو جائیگا۔

اقبال دو طرح سے مفکر پاکستان قرار پاتے ہیں اولاً انہوں نے برصغیر میں ایک اسلامی سلطنت کے امکان کو بدلائل ایک عملی شکل میں پیش کیا۔ دوم فکر اقبالؒ کے بہت سے اجزاء ہمارے ذہن کا حصہ بن چکے ہیں' اقبالؒ کے خیالات کا مرکز اور محور وحدت اسلامی کا تصور تھا اور وہ اس کے ایک انتھک مبلغ تھے۔ اقبالؒ کی نگاہ میں اسلامی ریاست ایک ایسی

Marfat.com

نظریاتی مملکت ہے جس میں دین اور ریاست ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ البتہ اقبال کے نزدیک "دین" کا وہ مفہوم نہیں جو ایک تنگ نظر اور فرقہ پرست ملا کا ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے اسلام ہی ان کی قومیت کی شناخت اور حب وطن کی اساس ہے۔

اقبالؒ کی رائے میں مسلم قومی ریاستوں کے اتحاد کا امکان دو صورتوں میں خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ پہلی یہ کہ کسی مسلم قومی ریاست کے باشندے یا ان کی قیادت اسلام ہی کو پس پشت ڈال کر کوئی اور سیاسی یا معاشی عقیدہ قبول کر لیں اور دوسری یہ کہ جب ایک مسلم قومی ریاست دیدہ دانستہ دوسری مسلم قومی ریاست پر حملہ کر دے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اجتماعی بقا کے لیے ایسی صورتوں پر کڑی نگاہ رکھیں جو اتحاد کے امکانات کا خاتمہ کر سکتی ہیں اور اسلامی ریاستوں کے درمیان کہیں بھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہو تو اس کا فوری طور پر حل تلاش کیا جانا ازبس ضروری ہے۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

اس طرح اقبالؒ اپنے مضمون "قومی زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں: "اور باتیں تو خیر ابھی تک ان کی مذہبی نزاعوں کا ہی فیصلہ نہیں ہوا۔ آئے دن ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھ کر باقی تمام نوع انسانی کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے' غرضیکہ ان فرقہ آرائیوں نے خیر الامم کی جمعیت کو کچھ ایسی بری طرح منتشر کر دیا ہے کہ اتحاد و یگانگت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔ (۱)

علامہ اقبالؒ ایسا نظام چاہتے تھے جو ترقی یافتہ اقوام کی لادین مادیت سے اثر قبول کیے بغیر نافذ العمل ہو۔ ہمیں اپنی مادی زندگی کی بنیاد روحانیت پر استوار کرنی چاہئے۔ مسلمان ممالک اپنے اپنے علاقے میں ایسا نظام حیات نافذ کریں جو ان کی روایات سے مطابقت رکھتے ہوئے ترقی کے لیے کوشاں ہو۔

(۱) مقالات اقبال، محمد اقبال علامہ، مرتبہ سید عبدالواحد معینی، لاہور ۱۹۶۳ء

Marfat.com

مغربی تمدن کے ہر اس پہلو کو نظر انداز کریں جو ان کی روایت سے متصادم ہے اور ان کے ارتقاء کے لئے نقصان دہ ہے۔ سرمایہ کی قدر و قیمت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن سرمایہ کے غلط استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے نتائج ناانصافی اور ظلم کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

نقشی　از　جمیعت　خاور　فگن

ورستان　خود　را　زدستِ　اہرمن

بد قسمتی سے ہمارا پورا معاشی ڈھانچہ اغیار کے کنٹرول اور IMF کے تابع ہے اس صورت میں اقبالؒ کے معاشی فکر کا اطلاق کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے ۱۹۰۴ء میں اپنے معاشی افکار کو ''علم الاقتصاد'' کے نام سے مرتب کیا، جس سے ان کے ذہن و فکر کے حقیقت پسندانہ رجحان کا ثبوت ملتا ہے جس کی بنا پر جہاں مسلمانوں کے معاشی مسائل میں ان کی گہری دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ وہاں معاشی مسائل میں ان کے انسانی نقطۂ نظر اور اجتہادی فکر کے مختلف پہلو نیز ان کے فلسفے اور شاعری کی اولین محرکات بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

اسلامی معاشی نظام کی جگہ جب سے سرمایہ دارانہ نظام نے لی ہے۔ ہم اغیار کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں اور یہ غیر اسلامی معاشی نظام فکرِ اقبالؒ کے نفاذ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ یہ نظام دولت کی ناہموار اور غیر منصفانہ تقسیم پر قائم ہے۔ اقبالؒ اہلِ وطن کے افلاس و غربت کا شدید احساس رکھتے تھے اور وہ معاشی خوش حالی کو اہلِ وطن کی اخلاقی و تمدنی ترقی کی ناگزیر شرط قرار دیتے ہیں۔ ہمیں اپنے معاشی نظام کو استعمار کے پنجے سے نکال کر خود انحصاری اور خود اعتمادی کی پالیسی پر گامزن ہونا چاہیے۔

ہمارا موجودہ تعلیمی نظام بھی ایک حد تک فکرِ اقبالؒ کے نفاذ کی راہ میں حائل نظر آتا ہے۔ فکرِ اقبالؒ کی سب سے اہم خصوصیات ہی یہی ہے کہ اس کی اساس اسلام پر استوار ہے۔

احیائے تمدن کے سلسلہ میں اقبالؒ نے مسلم معاشرے میں نہ صرف نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیوں کے خواہش مند تھے۔ بلکہ قانون کے مطابق شریعت اسلامی کی تعبیر نو بھی

Marfat.com

چاہتے تھے۔

آج کے دور میں ہمارا تعلیمی نظام، جس میں طالب علم کی صرف عقلی اور ظاہری تربیت ہوتی ہے، فکر اقبالؒ سے متصادم نظر آتا ہے۔ قلب و روح کی نشو و نما، روحانی ارتقاء اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس سے غفلت کر کے اس پر سب سے بڑا ظلم کیا گیا ہے۔ نئی نسل کا پیمانہ خالی، اس کی روح پیاسی اور تاریک ہے۔ بے یقینی اور یاس و قنوط ان کی زندگی کا حاصل اور محرومی اس کی قسمت ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام سے نوجوان نسل سخت کوشی اور جفاکشی کی بجائے نرمی اور تن آسانی کی خوگر اور لذت طلبی اور عیش کوشی کی طرف راغب ہوتی جارہی ہے۔ اکثر ارباب اختیار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کو جدید مغربی تعلیمی نظام سے وابستہ کیا جائے۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام

مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیِ افکار سے مشرق میں غلام

ہمارا تعلیمی نظام نہ صرف نوجوانوں میں مغرب کی اندھی تقلید اور خالص پیروی کا جذبہ پیدا کرتا ہے بلکہ ان میں جدت و اجتہاد کا کوئی جذبہ بیدار نہیں ہونے دیتا۔

اقبالؒ کی رائے ہے کہ مغربی نظام تعلیم نے مسلم نوجوانوں کی معنوی روح کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے انہیں مردان کار کی بجائے مرد بیمار بنا دیا اور بانکا سجیلا بن کر رہنا سکھا دیا ہے۔

Marfat.com

اساتذہ اور دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ موجودہ فرسودہ نظام کو تبدیل کر کے فکر اقبالؒ پر نظام تعلیم کی بنیادیں استوار کریں تاکہ فکر اقبالؒ کا نفاذ درسی کتب میں عام ہو۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

وجود کیا ہے؟ فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

(ضرب کلیم)

❖❖❖

Marfat.com

قطعہ

اقبالؔ نے کل اہلِ خیاباں کو سنایا
یہ شعرِ نشاط آور و پر سوز و طربناک
میں صورتِ گل دستِ صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوشِ جنوں میری قبا چاک

Marfat.com

روابط ایران و پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

ایران و پاکستان کے ثقافتی تعلقات کی بنیادیں

ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ عادل *

ایران و پاکستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سب سے پہلی مضبوط ترین بنیاد جو ذہن پر ابھرتی ہے وہ اسلام ہے۔

امام خمینیؒ کی حکیمانہ قیادت اور ایران کے انقلابی مسلمانوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو ایران کا اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اسلامی جمہوریہ ایران کی بنیاد رکھ دی گئی، بعینہ اسی طرح جسطرح قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مدبرانہ قیادت اور علامہ اقبالؒ کے تصور پاکستان کو عملی جامہ پہنانے کا عزم و ارادہ رکھنے والے مجاہدوں کی زندگیوں کے نذرانوں کے نتیجے میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تحریک آزادی کے متوالوں کا جذبۂ حریت رنگ لایا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔

امام خمینیؒ نے ڈھائی ہزار سالہ شاہی نظام کا خاتمہ کرنے کے بعد اپنی جدوجہد کے بارے میں فرمایا کہ:

It is the Islamic struggle that mobilizes the whole country in one direction, removing all hardships and difficulties.

ایران و پاکستان کی ابتدائی تہذیبوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ملک انسانی تہذیبوں کا گہوارہ رہے ہیں۔ تاریخی مقامات کی کھدائیوں سے ملنے والے آثار سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان دونوں ملکوں کے قریبی تہذیبی روابط تھے، کیونکہ ملنے والے آثار ایک دوسرے پر پڑنے والے متبادل اثرات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جس سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں ممالک کے قریبی تہذیبی روابط تقریباً سات ہزار سال سے

* ڈاکٹر عبدالغنی شیخ عادل، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز یونیورسٹی آف جامشورو سندھ۔

Marfat.com

آج تک قائم ہیں۔ ایران و پاکستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے دوسری مشترک بنیاد ارکان اسلام ہیں۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ اس کی زندہ مثالیں ہیں جو قیامت تک قائم رہیں گی۔ دونوں ممالک کے باہمی تعاون سے اس ضمن میں نماز سیمینار کا انعقاد اوستہ محمد بلوچستان میں ہو چکا ہے۔

ایران و پاکستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے تیسری مشترک بنیاد "علوم اسلامی" ہیں۔ علم تفسیر، علم حدیث اور علم تجوید و قرأت اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ دونوں ممالک نے قرآنی ثقافت کے فروغ کے لیے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ قابل فخر ہیں مثلاً حسنِ قرأت، حفظ قرآن اور تفسیر قرآن کے مقابلوں کا انعقاد، تواشیخ خوانی (اجتماعی حسن قرات) کی محافل کا انعقاد، نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں کے لئے قرآن کریم کی تعلیم پر مبنی کلاسوں کا اجراء وغیرہ۔

ایران و پاکستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے چوتھی مشترک بنیاد اسلامی فنون ہیں۔ فن خوشنویسی، فن مصوری اور گھریلو صنعتوں میں تو اسلامی عقائد کے مشترک اثرات کی چھاپ حیران کن طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔ ایرانی اور پاکستانی عوام کے درمیان قریبی تعلقات دونوں ملکوں کی ثقافت اور فنون، خاص طور پر فن تعمیر، فن خطاطی، فن نقش و نگاری اور دیگر ثقافتی آثار پر گہرے متقابل اثرات مرتب کرنے کا باعث بنے ہیں۔ ایران و پاکستان کی مساجد اور تاریخی عمارات کی مشابہت مثلاً اصفہان کی مسجد امام، صوبہ خراسان کے علاقے تایباد (خیر آباد) کی مسجد، زنجان کا گنبد، سلطانیہ، سردشت (کردستان) کے علاقے کی مسجد شیخ مولانا، شہر زاہدان کے سرد خانے، دانشگاہ کردستان، ٹھٹھہ (سندھ) کی شاہجہانی مسجد، لاہور کی بادشاہی مسجد، (سندھ) کے علاقے میں عیسیٰ خان ترخان کا گنبد، فیصل مسجد اسلام آباد، مکلی (سندھ) کا قبرستان، سندھ یونیورسٹی، وغیرہ اس دعوے کی زندہ مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ ایران و پاکستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کو تقویت پہنچانے میں، فن شاعری کے نامور تاریخی عناصر پائے جاتے ہیں۔ مولانا رومؒ، سعدیؒ، حافظؒ، جامیؒ، فردوسیؒ، شاعر ہفت زبان سچل سرمستؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا بہاء الدین بہائی (سندھ)، عطاء اللہ خان (ڈیرہ

Marfat.com

اسماعیل خان)، سعدی ثانیؒ، (لاڑکانہ سندھ) جیسی اہم شخصیات تاریخ کے مختلف ادوار میں دونوں قوموں کو ثقافتی، لسانی اور دینی طور پر ملانے والی زنجیر کی کڑیاں ثابت ہوئی ہیں۔ مولانا بہاء الدین بہائی (۱۲۴۹-۱۳۵۲ھ.ق) کو سندھ کے فارسی شعراء میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ پیر حزب اللہ شاہ راشدی مسکین کی شان میں جب مولانا بہائی نے چند فارسی اشعار کہے تو پیر صاحب (کنگری شریف) کی طرف سے مولانا بہائی کو ایک ہاتھی بطور انعام دیا گیا۔ مولانا بہائی کے فارسی دیوان کے مخطوطہ کے کل ۲۵۱ صفحات ہیں جس میں غزلیات، قصائد، مثنوی، ساقی نامہ، مطرب نامہ، مفتی نامہ، قطعات وغیرہ شامل ہیں۔

ایران وپاکستان کے ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے پانچویں بنیاد ایران وپاکستان کا انسٹیٹیوٹ آف پرشین اسٹڈیز ہے، جو اسلام آباد میں دونوں حکومتوں کے "باہمی تعاون" سے ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو قائم ہوا۔ اس کے قیام کی وجہ سے ایران وپاکستان تقریباً انتیس سالوں سے آپس میں پختہ ثقافتی اور تاریخی بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایران وپاکستان کے محققین و مدبرین کے باہمی مثبت تعلقات اور مضبوط تعاون کی وجہ سے آج دنیا بھر میں یہ انسٹی ٹیوٹ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس قابل ذکر انسٹیٹیوٹ نے اپنے کندھوں پر قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمینارز منعقد کروانے کے علاوہ فارسی زبان کے فروغ کے لئے، فارسی کے پروفیسرز، رائٹرز اور نامور شعراء حضرات کے اجلاسوں کے انعقاد کی ذمہ داری بھی لے رکھی ہے۔ ایران وپاکستان کے ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے چھٹی بنیاد وہ اسلامی جمہوریہ ایران اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی کلچرل پالیسیوں کے مشترکہ اصول وضوابط ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں کلچرل پالیسیوں کی روشنی میں ایران وپاکستان کے سات ہزار سال سے قائم شدہ تاریخی رشتے آج کے دور میں ثقافتی، اقتصادی، مذہبی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی تعلقات کے استحکام کا باعث بن رہے ہیں۔ دونوں ملک اسلام کی حیات آفرین تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے خود اعتمادی اور باہمی تعاون کے جذبوں کے ساتھ خود کفالت کی منزل کی طرف رواں دواں اور ترقی وپیشرفت کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔

موجودہ دور میں ان تعلقات کو مزید استحکام اور دوام ملا ہے اور انقلاب اسلامی کے

Marfat.com

موجودہ قائد آیت اللہ خامنہ ای کا اپنے دور صدارت میں دورہٴ پاکستان دونوں ملکوں کے بڑھتے ہوئے روابط اور ثقافتی تعلقات میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایران وپاکستان کے ثقافتی تعلقات کی بنیادوں میں سے ساتویں بنیاد فارسی زبان ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے یہاں مغل دور میں اس زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور سرکاری زبان بھی فارسی تھی۔ سعدیؒ، حافظؒ اور فردوسیؒ سمیت فارسی کے تمام شعراء کے کلام ہماری نصابی کتب میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اردو اور فارسی زبان میں گہرا رشتہ پیدا ہو گیا۔ موجودہ اردو کی ساکھ اور ترقی فارسی زبان ہی کی مرہون منت ہے۔ فارسی زبان ہماری گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فارسی ہماری زبان اور ہماری تہذیب پر اثر رکھتی ہے اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک علیحدہ زبان اور تہذیب ہے۔

ایران وپاکستان کے ثقافتی تعلقات کی لامحدود بنیادوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ان کو سات بنیادوں میں سمیٹ کر سبع سنابل کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ مجھے امید کہ اس عاجز کا بنایا ہوا "یہ گلدستہ سبع سنابل" قبول ہو گا۔

گذشتہ پچاس سالوں کے دوران پاکستان میں فارسی زبان کے فروغ کے لئے نجی اور حکومتی دونوں سطح پر اس قدر کوششیں نہیں ہوئیں، جس طرح کہ ہونا چاہیئے تھیں، اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں بھی فارسی کی تعلیم پر کماحقہ توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ چنانچہ فارسی زبان جو ہماری گذشتہ ہزار سالہ تاریخ وثقافت کا قیمتی سرمایہ ہے، اس پر کماحقہ توجہ نہ دینے سے ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کے ورثے سے محروم ہو جائے گی۔

جس طرح یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور پاکستان کی بہت سی یونیورسٹیوں نے پاکستان بھر کے ممتاز دینی مدارس کی اسناد کو بی۔اے اور ایم۔اے (عربی / اسلامک اسٹڈیز) کے مساوی قرار دیا ہے۔ بالکل اسی طرح پاکستان میں فارسی زبان کے فروغ کے لیے پاکستان کے جن مدارس میں فارسی پڑھائی جاتی ہے ان سب مدارس کی اسناد فارسی کو یو۔ جی۔ سی۔ اور پاکستان

Marfat.com

کی ساری یونیورسٹیوں کی طرف سے بی۔اے (فارسی) کے مساوی قرار دیا جانا چاہیے۔اس عمل سے نہ فقط پورے پاکستان سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری اسکولوں کے لیے فارسی اساتذہ مہیا ہو جائینگے جو آگے چل کر M.Phil اور Ph.D (فارسی) میں نمایاں تحقیقی کام انجام دے سکیں گے بلکہ اس کے نتیجے میں ہمارے پورے پاکستان کے اندر فارسی کا جو خزانہ اب تک مخطوطات کی صورت میں موجود ہے وہ منظر عام پر آجائے گا۔

سیمیناروں کانفرنسوں اور نمائشوں کا انعقاد، دونوں ممالک کے مابین وفود کا تبادلہ، فارسی زبان کے اساتذہ کی عملی تربیت کا اہتمام، دونوں ممالک کے فارسی طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کے لئے تبادلے، دونوں ممالک کے اہل قلم واہل فن کے فن پاروں پر مشتمل خدمات کی نشر وطباعت، دونوں ممالک میں محفوظ وموجود فارسی کے قلمی ذخیروں کی نشر واشاعت وغیرہ وغیرہ کو اگر فروغ دیا جائے تو یہ عمل دونوں ممالک کے ہنر مندوں، ماہرین فنون، اساتذہ، طلبہ وطالبات اور محققین کے مابین ایسے روابط پیدا کرے گا جو کہ ایران وپاکستان کے باشندوں میں ثقافتی شعور پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور قریب تر لانے میں موثر مفید ومعاون ثابت ہو گا۔

❖❖❖

Marfat.com

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
نقشِ گرِ ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی
خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی!

Marfat.com

انٹرویو

Marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ موسوی

سے ایک گفتگو

پیغام آشنا: کیا آپ اپنی تعلیمی اور تحقیقی مصروفیات کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گی؟

ڈاکٹر شگفتہ موسوی: میں کراچی میں متولد ہوئی اور میں نے ابتدا سے لے کر کالج اور یونیورسٹی تک کی تعلیم وہیں حاصل کی۔ سینٹ جوزف کالج سے گریجویشن کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ۱۹۶۰ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۲ء میں ایم۔اے فارسی میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ ایم۔اے کے فوراً بعد سینٹ جوزف کالج میں فارسی کی تدریس کے لیے میرا انتخاب عمل میں آیا۔ اگلے ہی سال مجھے استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر غلام سرور نے کراچی یونیورسٹی میں شعبہ فارسی میں منتخب کر لیا اور ۱۹۶۴ء میں تہران یونیورسٹی کے اسکالرشپ پر میں پہلی پاکستانی طالبہ کے طور پر تہران چلی گئی۔ یہاں ایک بہت دلچسپ بات بتاؤں کہ اس وقت تک صرف چند پاکستانی حضرات ہی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ایران گئے' جن میں ڈاکٹر شہریار نقوی مرحوم' ڈاکٹر عابد علی خان اور ڈاکٹر سید علی رضا نقوی خاص طور پر نمایاں ہیں، لیکن پاکستان سے کوئی طالبہ تہران یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے روانہ نہ ہو سکی تھی کیونکہ اس وقت وہاں کے مجموعی ماحول کے بارے میں پاکستان کے متدین گھرانوں میں ذہنی تحفظات رہتے تھے۔ چنانچہ میری والدہ مرحومہ اپنے خرچہ پر میرے ساتھ تہران گئیں اور میری واپسی تک انہوں نے وہیں قیام فرمایا۔ ۱۹۶۶ء میں ایم۔اے اور ۱۹۶۸ء میں فارسی زبان و ادب میں پی ایچ ڈی مکمل کر کے وطن لوٹی۔ میرے وہاں ہوتے ہوئے تیسرے اور آخری سال میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے طالبات کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا' جسے اسلامی انقلاب کے بعد مزید فروغ ملا۔ میرا موضوع تحقیق امیر علی شیر نوائی کی زندگی' شخصیت' اور شاعری تھا۔

Marfat.com

میں یہاں یہ بتانا مناسب سمجھوں گی کہ امیر علی شیر نوائی، تیموریان ھرات کے مشہور بادشاہ سلطان حسین بایقرا کے وزیر اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مشوق اور سرپرست اور جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔

پیغام آشنا: کیا آپ تہران میں اپنے اساتذہ کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گی؟

ڈاکٹر شگفتہ موسوی: الحمدللہ میں دانشگاہ تہران کے صف اول کے اساتذہ استاد بدیع الزمان فروزانفر، ڈاکٹر صادق گوھرین، ڈاکٹر حسن منوچہر، ڈاکٹر سید حسین نصر اور کئی دیگر اساتید کے محضر علمی سے مستفید ہوئی۔ میں نے ڈاکٹر سید جعفر شہیدی، ڈاکٹر محمد جعفر محجوب، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر صادق کیا جیسے صاحب نظر اساتذہ سے فارسی ادب، فلسفہ، تاریخ ادبیات پہلوی و السنۂ ما قبل اسلام کی تحصیل کے لیے اکتساب فیض کیا۔

پیغام آشنا: پاکستان میں فارسی زبان کی ترویج و تعلیم کے شعبے سے آپ کی دیرینہ وابستگی کی روشنی میں یہاں تدریس فارسی کے سلسلے میں جو مسائل و مشکلات درپیش ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر شگفتہ موسوی: سب سے پہلے ہمیں اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ فارسی برصغیر بخصوص پاکستان کے لیے غیر ملکی زبان نہیں ہے۔ فارسی زبان و ادب کی بارہ صدیوں میں تقریباً ایک ہزار سال تک ہم شریک و سہیم رہے ہیں۔ فارسی پاکستان اور ایران کے مشترکہ ثقافتی ورثے کی مظہر ہے۔ البتہ پاکستان میں جو نظام تعلیم رائج ہے بخصوص سکولوں میں وہاں انگریزی اور اردو زبانیں تو بین الاقوامی اور قومی زبان ہونے کے حوالے سے لازمی مضامین کے طور پر پڑھائی جارہی ہیں اور عربی زبان کو دینی اور اسلامی پس منظر میں بعض کلاسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ پھر دیگر مضامین خاص طور پر ریاضی اور مختلف سائنسز کی تدریس کے بعد ایک چوتھی زبان کے لیے گنجائش کم رہ جاتی ہے۔ کسی حد تک یہی صورت حال کالجوں میں انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کی کلاسوں میں موجود ہے۔ البتہ بی۔اے آپشنل کے طور پر فارسی کی تدریس کی کسی حد تک پذیرائی ہو رہی ہے۔ لیکن

Marfat.com

امر واقع یہ ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں ایم۔ اے فارسی کے کورسز میں طلبا اور طالبات اسی وقت مناسب تعداد میں حصول تعلیم کے خواہشمند ہوں گے جب پاکستان کے کالجوں میں سے ہر کالج میں فارسی کو اختیاری مضمون کے طور پر پڑھایا جائے گا اور اس مقصد کے لیے کالجوں میں لکچرر اور اسسٹنٹ پروفیسرز کی اسامیاں قائم کر کے پبلک سروس کمیشن کے ذریعے حسب قاعدہ اساتذہ کی تعیناتی عمل میں آئے گی۔ اس ضمن میں برادر ارجمند ڈاکٹر سید محمد اکرم لاہور میں انجمن فارسی کے فورم سے پنجاب کی صوبائی حکومت کے محکمہ تعلیم سے خط و کتابت کر رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ ارباب حل و عقد جلد از جلد کوئی مثبت فیصلہ کریں۔ لیکن میری تجویز ہو گی کہ اسلام آباد میں وفاقی وزیر تعلیم اور وزارت تعلیم کے ذریعے کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس کے نتیجے میں پاکستان کے چاروں صوبوں اور وفاق کے زیر انتظام علاقوں میں ایک ساتھ فارسی کی تدریس اور آموزش کی راہیں کھلیں۔ اسی طرح سکولوں میں چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک کے نصاب میں فارسی کے لیے کس طرح گنجائش نکالی جا سکتی ہے، اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔

پیغام آشنا: عام طور پر فارسی ادب کے تربیتی اور اخلاقی پہلو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عدیم النظیر ہے۔ موجودہ دور میں اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر شگفتہ موسوی: فارسی زبان کی نظم و نثر میں دین و دانش، حق و صداقت، امانت و دیانت اور دیگر فضائل و خصائل حسنہ کے بارے میں سینکڑوں شعرا و ادبا نے شاہکار مضامین باندھے ہیں جن کا احاطہ کرنا کسی ایک نشست اور گفتار میں ممکن نہیں لیکن فردوسی، رومی، سعدی، حافظ سے لے کر دور حاضر تک اگر انگشت شمار شعرا اور نظام الملک طوسی، نصیر الدین طوسی، جلال الدین دوانی، واعظ کاشفی کے منثور آثار کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ فارسی ادب انسانی معاشرہ کے لیے ایک تربیت گاہ کا درجہ رکھتا ہے۔ سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اس نوعیت کی تحریروں اور نظموں کو ضرور شامل کرنا چاہیے تاکہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوں۔

پیغام آشنا: اسلامی انقلاب کے بعد آپ کو کئی دفعہ ایران جانے کا اتفاق

Marfat.com

ہوا۔ آپ نے ایران میں کن تبدیلیوں کو نوٹ کیا؟

ڈاکٹر شگفتہ موسوی: رہبر انقلاب اسلامی وبانی جمہوری اسلامی ایران کی متدین لیکن روشن فکر قیادت میں جہاں ملت ایران نے مادی و معنوی طور پر ترقی کے مدارج طے کیے ہیں وہاں لوگوں کی فلاح و بہبود کے وسیع منصوبے بنائے گئے ہیں جن میں مستضعفین، شہداء کے لواحقین، مسلط شدہ جنگ کے معذورین، اور عام شہریوں کی بھلائی کے ادارے مؤثر طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ تعلیم کے شعبے میں ترقی کی ایک مثال یہ ہے کہ انقلاب سے قبل جتنی یونیورسٹیاں پورے ملک میں کام کر رہی تھیں اب صرف تہران میں یونیورسٹیوں کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ ایران کے صوبائی دارالحکومتوں میں بھی انقلاب کے بعد ایک سے زیادہ یونیورسٹیاں کام کر رہی ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سمیت طلباء و طالبات کی تعداد، اب کروڑوں میں ہے اور خواندگی کی شرح ۷۵ فیصد سے تجاوز کر چکی ہے۔ ایک خاتون ہونے کے ناتے سے میں اسلامی انقلاب کے بعد ایرانی خواتین کی معاشرتی ترقی میں کاروکوشش کا جائزہ لیتی ہوں تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں محسوس ہوتا کہ اسلامی حجاب کے اہتمام کے ساتھ زندگی کا کون سا شعبہ ہے جس میں ایرانی خواتین نے اپنی صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کروایا۔ ماضی میں خواتین کو تعلیم اور صحت کے شعبوں ہی کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلامی انقلاب کے بعد ان دو شعبوں کے علاوہ سائنس، ٹیکنالوجی، مسلح افواج، شہری ہوابازی، بینکاری، صنائع، تجارت غرض تقریباً ہر شعبے میں ایرانی خواتین کو مصروف عمل دیکھا جا سکتا ہے۔

پیغام آشنا: محترمہ ڈاکٹر صاحبہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے قارئین آپ کے مشاہدات سے مستفیض ہوں گے۔

***

Marfat.com

نئی کتابیں

Marfat.com

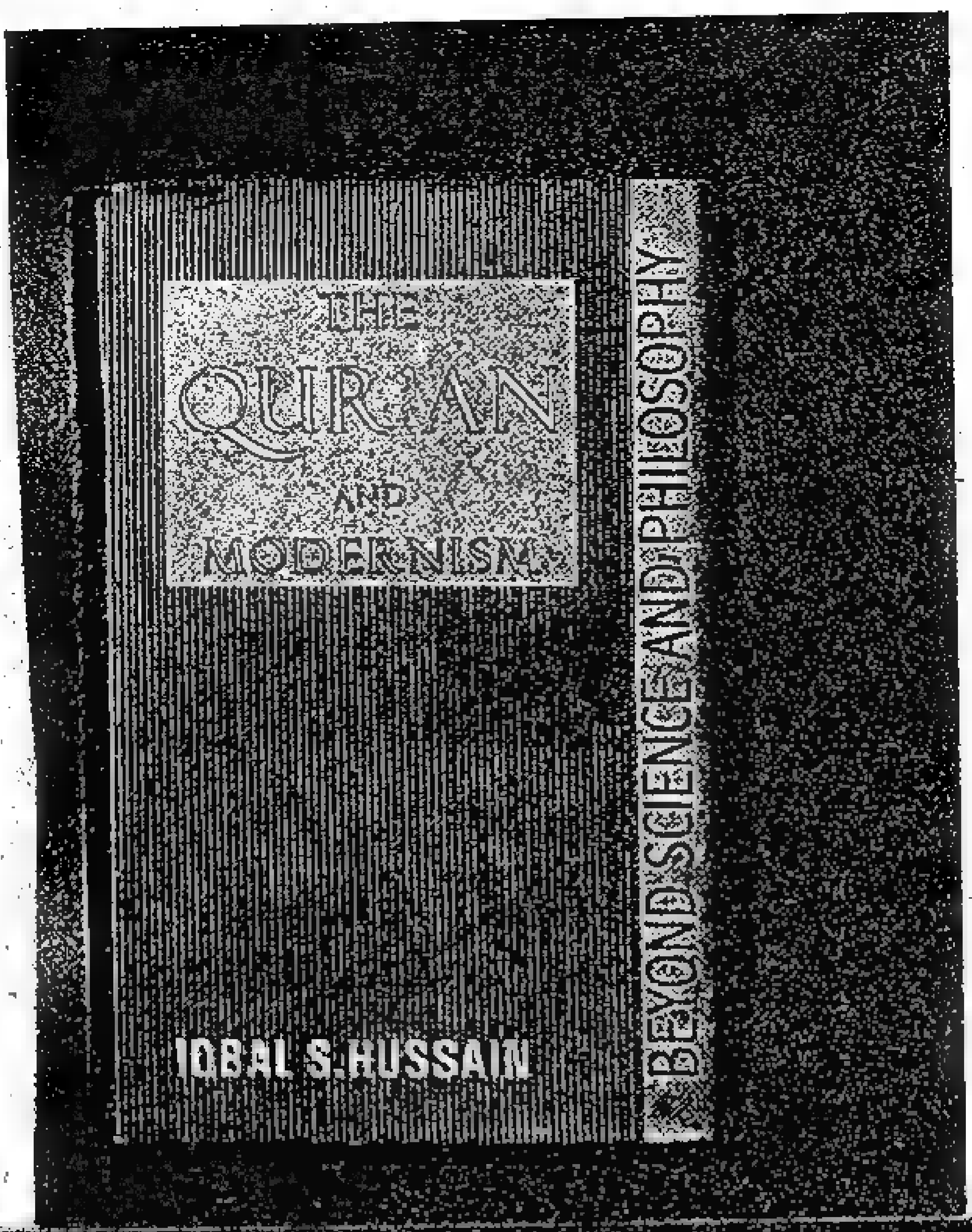
THE QUR'AN AND MODERNISM
BEYOND SCIENCE AND PHILOSOPHY
IQBAL S. HUSSAIN

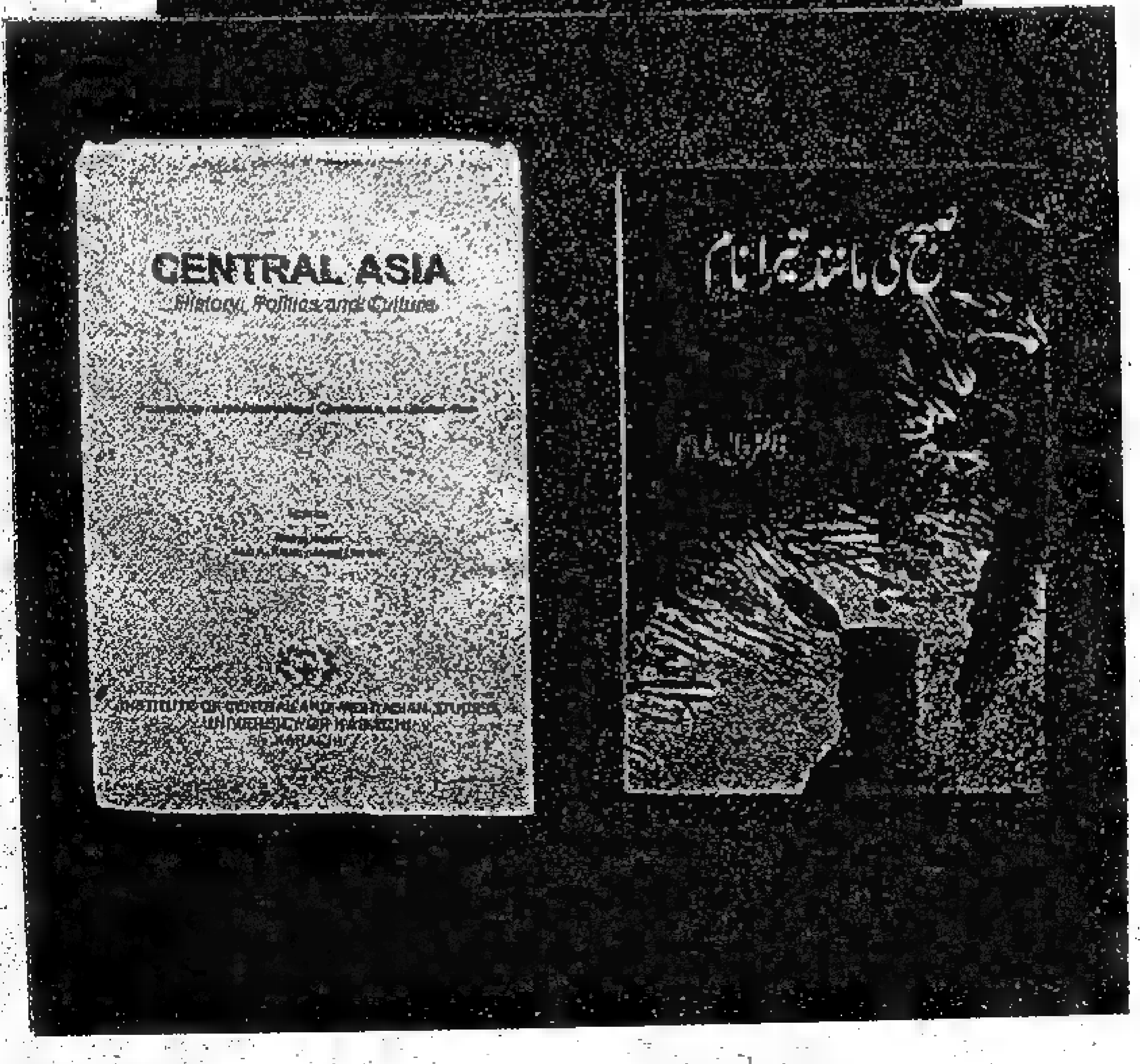
CENTRAL ASIA
History, Politics and Culture
صبح کی مانند تیرا نام

Marfat.com

نقد و تبصرہ کتب

☐ نام کتاب: The Quran And Modernism

مصنف: اقبال سید حسین

قیمت: ۵۰۰ روپے

معروف دانشور، صحافی اور کئی قابل قدر انگریزی کتابوں کے مصنف جناب اقبال سید حسین نے جو کیمبرج یونیورسٹی کے بین الاقوامی امتحانات کے شعبے سے وابستہ ہیں وہ جرمنی اور انگلینڈ میں نہ صرف صحافتی پیشے سے منسلک رہے بلکہ معاشرتی علوم پر بھی ریسرچ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب یورپ میں اسلام اور قرآن کے سلسلے میں لاعلمی اور ابہامات دور کرنے اور جدید دور کے مطابق قرآن فہمی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے سات سال کی محنت شاقہ کے بعد لکھی ہے۔ اس میں جگہ جگہ قرآنی آیات سے استناد کیا گیا ہے جس سے مصنف کے عمیق مطالعہ اور تدبر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ دیدہ زیب جلد اور عمدہ کاغذ و طباعت کے ساتھ اسے مکتبہ ادبستان، لاہور نے شائع کیا ہے۔

☐ نام کتاب: صبح کی مانند تیرا نام

مصنفہ: ڈاکٹر عالیہ امام

ناشر: شوکت آرٹ پریس، راولپنڈی

قیمت: ۹۵ روپے

زندگی کی ہماہمی اور اس مصروف اور پابہ زنجیر عہد میں زندہ ادب و ثقافت کے نام پر کتاب جلتے صحرا میں ہوا کا خوشگوار جھونکا ثابت ہوا کرتی ہے۔ کچھ یہی کیفیت "صبح کی مانند تیرا نام" کی بھی ہے۔ ڈاکٹر عالیہ امام کی طرف سے یہ تحفہ علم و ادب کی دنیا کے لیے ہی نہیں عوام کے لیے بھی یکساں طور پر مفید ہے۔ یہ ہوا کا وہی خوشگوار جھونکا ہے جو صحرائے زندگی کی تپش

Marfat.com

میں زندگی کو سکون کا ایک وقفہ فراہم کر دیتا ہے۔اس کتاب کا محور حسن، امن، محبت، پھول، کتاب اور آزادی ہے جنہیں انسان کی جمالیاتی حس نے روز اول سے اہمیت دی اور تا شام ابد دیتی رہے گی، مگر یہ کہ فکری افول اور تشتت کے اس دور میں انسان کی فکر خلاق رکود اور جمود کے مراحل میں ہے جبکہ وہ مادی اعتبار سے سیر صعودی میں مشغول ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں بھی دنیا کے تمام مکاتب فکر مابعد الطبیعیات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور پیاسی انسانیت ان سرچشموں کی طرف بگٹٹ اور بے محابا دوڑ رہی ہے تاکہ روح کی پیاس بجھا سکے۔ یہ کتاب تشنگان علم وادب کی اسی پیاس اور ادبی ذوق کی تسکین کا ایک وسیلہ ہے۔

آج جبکہ ہم فقر فکری سے دوچار ہیں ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ میر، غالب، اقبال و انیس، حافظ، وخیام ور سعدی کی ضرورت ہے۔ ہمارے نوجوان غرب کی رنگینیوں کے سحر میں کھوئے جارہے ہیں۔ ہمیں ان کے جذبوں کی باگ صدق وضبط کے سرچشموں کی طرف موڑنا ہے یہی آج کے دور کا تقاضا ہے اور یہی اس کتاب کا پیغام ہے۔ امن و آزادی انسانیت و آشتی کے علمبرداروں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس کتاب کا ترجمہ دنیا کی دوسری زندہ زبانوں میں بھی کر دیا جائے تاکہ یہ پیغام آفاق کے ہر کونے تک پھیل جائے جیسے صبح امید کی کرنیں پھیلتی ہیں اور جیسے باد صبا سے پھول کی خوشبو! ہم محترمہ عالیہ امام کو اس پر ثمر کوشش پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

کتاب کی جلد اور سرورق جاذب نظر ہیں اور سیدہ ساجدہ تقی صاحبہ کی اسکیچ کی ہوئی تصاویر عمدہ اور خیال افروز ہیں۔ کتاب کی قیمت مناسب ہے لیکن اس کی پروف ریڈنگ پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی۔ مختلف مقامات پر لہجے کی غلطیاں موجود ہیں۔ مثلاً صفحہ ۲۹ پر میر تقی میر کے شعر کا مصرعہ :

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے اور "نازکی اس کے لب کی کیا کہے" چھپا ہے۔

یا ص ۱ اور ص ۱۱ میں اور سطر ۴ پر عام لکھنے پڑھنے لکھے پڑھے چھپا ہے۔

Marfat.com

☐ نام کتاب: CENTRAL ASIA : History , Politics and Culture

ناشر: انسٹیٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین سٹڈیز، کراچی یونیورسٹی و ہمدرد فاونڈیشن پاکستان کراچی

قیمت: ۵۰۰ روپے (پاکستان)، ۲۵ ڈالر (بیرون ممالک)

سال اشاعت: ۱۹۹۹ء

یہ کتاب ۲۷ نومبر تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۳ کو وسط ایشیا پر منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں شریک دانشوروں اور فضلا کے ۳۸ مقالوں پر مشتمل ہے۔ ان دانشوروں نے جو پانچ براعظموں سے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے تھے معاصر تاریخ کے پس منظر میں وسطی ایشیا کی تاریخ، سیاست اور ثقافت پر مبنی عنوانات کے تحت مقالے لکھے اور ایشیا کے اس جغرافیائی و سیاسی اہمیت کے علاقے میں ابھرتی ہوئی مسلم اقوام کی جھلک پیش کی ہے۔ مذکورہ کتاب ادارہ مطالعات وسطی و مغربی ایشیاء، کراچی یونیورسٹی، نے ہمدرد فاونڈیشن کراچی کے تعاون سے شائع کی ہے۔ انتساب حکیم محمد سعید مرحوم کے نام ہے۔ کتاب معلومات افزا اور مفید ہے اس کی تدوین اور ایڈیٹنگ کے فرائض جناب پروفیسر ریاض الاسلام، قاضی اے قدیر اور جاوید حسین صاحبان نے انجام دیئے ہیں۔ یاد رہے کہ ادارہ مطالعات وسطی و غربی ایشیاء کی بنیاد ۱۹۶۸ء میں مرحوم سید حسام الدین راشدی، مرحوم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور مرحوم ممتاز حسن جیسے معروف دانشوروں نے رکھی اور اس ادارے کی تاسیس کا مقصد وسطی اور مغربی ایشیاء کی تاریخ، فلسفہ، ادبیات، آثار قدیمہ، ثقافت اور سماجی و اقتصادی اداروں پر تحقیق کو منظم طریقے سے اجاگر کرنا ہے۔ امید ہے ادارہ اپنے اہداف سے متعلق اسی طرح مفید خدمات انجام دیتا رہے گا۔

❖❖❖

Marfat.com

سلسلہء تعارف کتاب

پیغام آشنا کے آئندہ شمارے سے "**تعارف کتاب**" کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ مصنفین اور اشاعتی ادارے، علمی وادبی نیز عالم اسلام کے ثقافتی اور تمدنی موضوعات پر اپنی تصانیف اور مطبوعات کو متعارف کرانے کے لیے اپنی کتابوں کے دو نسخے ارسال کر سکتے ہیں۔

مدیر اعلیٰ

Marfat.com

اخبار

Marfat.com

Marfat.com

ثقافتی خبریں

ایرانی خواتین وفد کی خواتین کانفرنس ۲۰۰۰ء نیویارک میں شرکت

خواتین کانفرنس ۲۰۰۰ء نیویارک میں شریک ایرانی خواتین کے وفد کی سربراہ خانم زہرا شجاعی نے نیویارک سے واپسی پر ۲۰ جون کو تہران میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس کانفرنس میں ۱۶۳ ممالک کے نمایندوں نے شرکت کی جن میں سربراہان مملکت، وزراء عظم، وزراء، مشیر اور خواتین این جی اوز کی ممبران شامل تھیں۔ اس کانفرنس کے اہم ترین مقاصد میں بیجنگ خواتین کانفرنس کے نتائج اور ثمرات پر غور و خوض کرنا تھا۔ اس کے علاوہ کانفرنس نے ان ۱۲ شعبوں اور اہداف کے سلسلے میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر خواتین کی فلاح و بہبود کے امور کا جائزہ بھی لیا تھا، جن میں خواتین اور غربت، تعلیم اور خواتین کی تربیت، خواتین اور صحت، خواتین کے خلاف تشدد، جنگیں اور خواتین، خواتین اور معاشیات، خواتین اور اقتدار و پالیسی سازی، خواتین کی ترقی کے لیے انتظامی حکمت عملیاں، خواتین کے انسانی حقوق، خواتین اور میڈیا، اور ماحولیات اور بچیاں جیسے موضوعات شامل تھے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ بیجنگ کانفرنس کے انعقاد سے اب تک ۵ سال کے دوران دنیا بھر میں خواتین کی ترقی کے لیے لازمی قوانین اور اداروں میں بہتری پیدا ہوئی ہے۔ بعض ممالک میں خواتین سے متعلق بعض روایتی اور دقیانوسی خیالات میں بھی تبدیلی محسوس کی گئی ہے۔ بعض حکومتوں نے خواتین کے حوالے سے سیاست، غربت اور تعلیم کے سلسلے میں پالیسی سازی پر نظر ثانی کی ہے۔ ان کے بقول خواتین کے عالمی ترقیاتی پروگراموں کے سلسلے میں بیجنگ سے لے کر نیویارک تک کے سفر میں دو متضاد اور مخالف نظریات اور آرا پیش کی جاتی رہیں۔ پہلا نظریہ جسے مغربی ممالک کے علاوہ بعض امریکی، لاطینی امریکہ اور ایشیائی ممالک کی تائید حاصل رہی وہ یہ تھا کہ اخلاقیات، روحانیت اور مذہب کو مدنظر رکھے بغیر صرف انسانی نقطہ

Marfat.com

نظر سے خواتین کی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ یہ دین مخالف نظریہ تھا۔ دوسرا نظریہ جسے پیش کرنے میں جو مذہب، اخلاقیات اور روحانیت پر مبنی تھا اسلامی جمہوریہ ایران نے مؤثر کردار ادا کیا۔ دنیا کے بہت سے ممالک نے اس کی تائید کی اور اسے پالیسی سازی اور منصوبہ بندی میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلے میں ایرانی وفد نے کافی تیاری کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے نقطہء نظر کے سلسلہ میں ڈرافٹ بنایا، مذہب مخالف مغربی نقطہء نظر میں ترامیم کرائیں اور دوسرے ممالک سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ چنانچہ ان کاوشوں کے صلے میں کانفرنس کے اعلامیئے کے فائنل مسودے میں ایران نے کوئی چالیس جگہ اپنا نقطہء نظر ثابت کر کے ترامیم کرائیں۔

اس کے علاوہ ایرانی وفد نے تمدنوں کی گفتگو جیسے موضوعات پر بھی کافی کام کیا۔ دوسرا مرحلہ جس پر ایرانی وفد نے زور دیا وہ خاندان، کی بنیادی معاشرتی اکائی میں خاتون کا کردار تھا۔ وفد کی اراکین نے کئی ممالک کے مثلاً پاکستان، مصر، برازیل، پرتگال، فرانس، آئرلینڈ، نیوزی لینڈ کے وفود کی سربراہوں اور اقوام متحدہ کے ارکان سے مذاکرات بھی کیے۔

اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت نے آخر میں اپنے بیان میں کہا ہے کہ "ایران کانفرنس کے اعلامیئے کی ان تمام شقوں کو نافذ کرے گا جو اسلام اور ایران کے آئین سے متصادم نہ ہوں نیز اعلان بیجنگ کے سلسلے میں جو چار تحفظات تھے وہ اعلان نیویارک کے لیے بھی برقرار رہیں گے۔ بہ الفاظ دیگر بیجنگ اور نیویارک کے دونوں اعلامیوں کے سلسلے میں ایران کا نقطہء نظر یکساں تھا۔ ایران نے اپنے بیان میں خاندان کی اہمیت اور اس کی بنیاد کی تقویت پر زور دینے کے علاوہ عورت اور مرد کے حقوق کی مساوات کے ساتھ ساتھ، ان میں صنفی تفاوت کی طرف بھی اشارہ کیا اور کہا کہ ہم ان دونوں کو مشابہ نہیں سمجھتے کیونکہ وہ قدرتی طور پر مختلف ہیں بہر حال اس سے کسی قسم کا صنفی تعصب لازم نہیں آتا کیونکہ مرد و زن دونوں کے معاشرتی کردار الگ الگ ہیں۔

یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ کانفرنس کے آخر میں یہ تجویز دی گئی کہ ایران کی طرف سے دیا گیا بیان کانفرنس کے اعلامیئے میں ضمیمے کے طور پر شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس

Marfat.com

تجویز پر عمل کیا گیا۔

ایرانی خطاطی کے فن پاروں کی نمائش

کراچی میں خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران نے نیشنل میوزیم پاکستان اور آرٹ پینک کے تعاون سے قومی عجائب گھر کراچی میں دو نامور ایرانی خطاطوں استاد ناصر جواہر پور اور استاد ڈاکٹر محمد سلحشور کے فن پاروں کی نمائش کا اہتمام کیا۔ اس نمائش کا افتتاح جس میں مذکورہ فنکاروں کے ۸۰ فن پارے رکھے گئے تھے ۳۰ جولائی ۲۰۰۰ کو ہوا اور اسے فن خطاطی کے شائقین کی ایک بڑی تعداد نے دیکھا۔ جناب محمد رضا زنیلی مدیر خانہ فرہنگ نے اس نمائش کی رسم افتتاح کے موقع پر حاضرین کو ایرانی خطاطی کے اسلامی تمدنی پہلوؤں سے روشناس کراتے ہوئے بتایا کہ اس عظیم فن سے اسلامی اقدار کے فروغ میں بڑی مدد ملتی ہے اور یہ انسان کے لیے روحانی تحریک کا سرچشمہ ہے۔ کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے نوجوان دانشور میرزا جمیل نے پاکستان میں خط نستعلیق کے انحطاط پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس کا بنیادی سبب نامساعد حالات اور قوم کی اس فن سے بے رغبتی ہے۔ انہوں نے خطاطی کی ترویج کے سلسلے میں لوگوں اور حکومت کے درمیان تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔ قومی عجائب خانہ پاکستان کے سربراہ جناب قاسم علی قاسم نے کہا کہ ہمارے ملک میں خط نستعلیق کا زیادہ رواج نہیں جبکہ برادر ہمسایہ ملک ایران میں اس فن کا مقام محفوظ ہے اور ایران وہ واحد ملک ہے جہاں خطاطی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے۔ معروف پاکستانی خطاط واثق نے کہا کہ اسلام پڑھنے لکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ امام الھدیٰ نے تیسری صدی ہجری میں نسخ، تعلیق اور ثلث کے رسم الخط شروع کیے جبکہ میر علی تبریزی نے نسخ اور تعلیق کو مرکب کر کے نستعلیق کو جامہ پہنایا۔

اس کے بعد ایرانی خطاطوں استاد ناصر جواہر پور اور استاد ڈاکٹر محمد سلحشور نے ایرانی خطاطی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ ایران میں اس وقت ۳۰ ہزار خطاط موجود ہیں جن میں سے ۵۵ فی صد خواتین اور ۴۵ فیصد مرد ہیں جبکہ انقلاب سے پہلے خواتین فنکاروں کی تعداد ۵ فیصد بھی

Marfat.com

نہ تھی۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ملک کے ۲۷۰۰ ممتاز خطاطوں میں سے ۷۰۰ خواتین ہیں۔ دونوں فنکاروں نے اپنے جواہر پاروں کی باریکیوں اور اسرار و رموز سے بھی حاضرین کو روشناس کیا۔

آرٹ کونسل کراچی میں حکیم عمر خیام کے بارے میں تقریب

جمعہ ۱۸ اگست ۲۰۰۰ء کراچی آرٹ کونسل اور خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کے باہمی تعاون سے کراچی آرٹ کونسل میں حکیم عمر خیام نیشاپوری کی تجلیل کے سلسلے میں ایک پر شکوہ تقریب منعقد ہوئی جس میں شہر کی علمی، ثقافتی اور ادبی شخصیات کے علاوہ تقریباً ۲۵۰ افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر میر محفل ہمدرد یونیورسٹی کے سربراہ ڈاکٹر منظور احمد نے اپنی تقریر میں کہا عمر خیام کی شخصیت تاریخی اور ادبی حوالے سے ایک عظیم اور پر افتخار سرمایہ ہے۔ وہ رباعی کہنے میں خاص مقام رکھتے تھے آقائے ہادی ہزاوہ ای نے انہیں ایران کی ایسی ممتاز علمی شخصیت قرار دیا جسے علم کے مختلف شعبوں شعبوں مثلاً فلسفہ، ریاضی اور نجوم میں تجربہ حاصل تھا۔ ڈاکٹر جعفر حلیم نے اپنی گفتگو میں خیام کی رباعیات کو علم و حکمت کا سرچشمہ قرار دیا۔ اس تقریب میں جناب امراؤ طارق نے "عمر خیام ایک طبیب" ڈاکٹر شیر شاہ نے "عمر خیام ایک شاعر" اور جناب حسین انجم نے "عمر خیام ایک منجم اور ریاضی دان" اور حشمت حسین نجمی نے "عمر خیام ایک فلسفی" کے عنوانات سے مقالے پڑھے۔ محفل میں عمر خیام کی رباعیات بھی پڑھی گئیں اور ان کا ترجمہ بھی پیش کیا گیا۔

ایرانی فلم کا جشن صد سالہ

گذشتہ دنوں ایران میں ایرانی فلم کے جشن صد سالہ کی تقاریب کا انعقاد ہوا۔ اسی مناسبت سے ایرانی فلم ڈائریکٹر سیف اللہ صمدیان نے "ایرانی فلم کے سومنٹ" کے عنوان سے ایک فلم بنانے کا اعلان کیا۔ یہ فلم ادارہ لبلاغ تصویر تیار کر رہا ہے اور اس نے اس کے جملہ مادّی اور معنوی حقوق ایران سینما میوزیم کے لیے مخصوص کیے ہیں۔ مذکورہ فلم ایرانی فلم انڈسٹری کی سو سالہ زندگی نیز اس دوران بننے والی بعض اہم فلموں کے شاٹس اور بعض تاریخ ساز شخصیات

Marfat.com

کے انٹرویوز اور حالیہ ہفتہ فلم کی مصروفیات پر محیط ہوگی۔

دوست ملک کا سفر

پشاور یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے ۱۵ طالب علموں کے وفد نے اپنے دو استادوں جناب پروفیسر منہاج اور پروفیسر بخش کے ہمراہ ادارہ ثقافت و روابط اسلامی کی دعوت اور خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران 'پشاور کے تعاون سے ایران کا دو ہفتے کا دورہ کیا۔ وہ ماہ جولائی میں زمینی راستے سے ایران پہنچے۔ جہاں ان کے لئے گوناگوں پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے جن میں اصفہان، شیراز، کرمان، گرگان، مشہد اور تہران نیز یونیورسٹیوں، تاریخی اور آثار قدیمہ کے مراکز اور علمی و ثقافتی شخصیات سے ملاقاتیں اور گفت و شنید شامل تھی۔

مذکورہ سفر سے واپسی پر طالبعلموں اور اساتذہ نے اس علمی اور ثقافتی سفر کے سلسلے میں مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یونیورسٹی کے باقی شعبوں کے طالب علموں کے لیے بھی اس قسم کے پروگراموں کی خواہش کی۔ انہوں نے یاد دلایا کہ اس نوع کے سفر دونوں ملکوں کے طالبعلموں اور استادوں کے مابین بہتر شناسائی اور تمام سطحوں پر دونوں ممالک کے روابط کی تقویت و استحکام کا سبب بنتے ہیں۔

یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر قاسم جان اور سربراہ شعبہ تاریخ جناب ڈاکٹر بخش نے خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران 'پشاور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ اس قسم کے پروگراموں کا تسلسل قائم رہنا چاہیے، تاکہ دونوں ممالک کی جوان اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم نسلیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر پہچان سکیں۔

ملتان کے ادب دوستوں کا وفد ایران میں

مئی ۲۰۰۰ میں 'ملتان سے ادب دوستوں کے ایک ۱۵ رکنی وفد نے ڈاکٹر بشیر انور کی سرکردگی میں' تہران میں کتابوں کی سالانہ نمائش دیکھنے کے لئے 'رایزنی فرہنگی اور خانہ ہائے فرہنگ جمہوریہ اسلامی ایران-ملتان اور کوئٹہ کے تعاون سے 'ایران کا دورہ کیا۔

اس وفد نے 'جو ادارہ ثقافت و روابط اسلامی اور گروہ شورای گسترش زبان فارسی کا

Marfat.com

مہمان تھا' تہران کی اس عظیم کتابی نمائش کو دیکھا جس میں ہر سال ہزاروں ناشر اپنی لاکھوں کتابوں کی فروخت کے لئے شرکت کرتے ہیں۔ بعد میں وفد نے ایران کے مقدس شہروں قم اور مشہد کا سفر کیا نیز مرقد حضرت امام خمینیؒ اور جماران میں ان کی رہائش گاہ کو دیکھا۔ وفد نے رایزنی فرہنگی سفارت جمہوریہ اسلامی ایران - اسلام آباد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی تعریف کی اور کہا کہ ایران میں مختلف نمائشیں دیکھنے کے مشتاق افراد کے لئے سفر کے سلسلے میں اس سے زیادہ کوششیں عمل میں لائی جائیں۔

قرآن کریم کا منظوم ترجمہ

معروف شاعر و ادیب جناب نیسان اکبر آبادی نے قرآن کریم کا مکمل منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ ناشر سید ظہور احمد رضوی نے اس کے متن سہ پارے ناظم آباد کراچی میں زیور طباعت سے آراستہ کیے ہیں۔ جناب نیسان اکبر آبادی کے اس عظیم اور گرانقدر کام کو اہل علم و دانش نے تحسین کی نظروں سے دیکھا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۹۲ میں مکمل ہوا اور اشاعت کے بعد اب مارکیٹ میں دستیاب ہے تاکہ صاحبان ذوق اس سے استفادہ کر سکیں۔ اردو زبان کے اس شاہکار ترجمہ کا ہدیہ فی سہ پارہ -/۱۰۰ روپیہ ہے۔

عید میلاد النبی (ص) کی پر شکوہ تقریب

۱۷ جون ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ رایزنی فرہنگی سفارت اسلامی جمہوریہ ایران کی طرف سے ہوٹل ہالیڈے ان اسلام آباد، میں عید میلاد النبی (ص) کی پر شکوہ تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں مختلف مکاتب فکر سے متعلق خواتین و حضرات کے علاوہ وزیر مذہبی امور حکومت پاکستان جناب عبدالمالک کانسی، ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ڈاکٹر انیس احمد، ڈاکٹر غضنفر مہدی، آغا مرتضیٰ پویا، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اقبالیات کے سربراہ ڈاکٹر صدیق شبلی صاب اور کئی ممتاز سماجی اور ثقافتی شخصیات نے شرکت کی۔ تلاوت قرآن کریم اور فریدی برادران کی طرف سے منقبت حضرت محمد مصطفیؐ کے بعد کلچرل قونصلر جناب ڈاکٹر رضا مصطفوی نے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے عید میلاد النبیؐ کی

Marfat.com

مناسبت سے مبارک باد دی اور ۱۲ اور ۱۷ ربیع الاول کے امام خمینیؒ کی طرف سے ایام کو ہفتہ وحدت کے طور پر منانے کی تجویز کو ایک دانشمندانہ اقدام قرار دیا اور پھر قرآن مجید، علامہ اقبال اور مولانا روم کے نقطہ نظر سے اتحاد اسلامی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

علامہ اقبال یونیورسٹی شعبہ اقبالیات کے صدر ڈاکٹر شبلی نے اس اہم موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اسلام نے اس دور میں اتحاد کو عملی شکل دی جب عرب قبائل آپس میں دست بگریبان تھے اور جمعہ، جماعات، اور حج ایسی اجتماعی عبادات کے ذریعے ایک ایسا معاشرہ وجود میں لایا جو متحد اور اتحاد پرور تھا۔

دعوۃ اکیڈمی کے سربراہ ڈاکٹر انیس احمد نے اپنی تقریر میں کہا "اتحاد کے بارے میں اب تک گفتگو زیادہ ہوئی ہے اور عملی کام کم ہوا ہے انہوں نے اختلاف کو قدرتی امر قرار دیتے ہوئے کہا ہمیں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے کہ اختلاف رحمت بن جائے نہ کہ زحمت، نیز یہ کہ مختلف اسلامی فرقوں کے مابین احترام صرف اس وقت بڑھایا جا سکتا ہے جب ہم اتحاد کی بنیادوں کو مستحکم کریں مثلاً مسلمان قرآن کریم اور حدیث کے دامن کو اساس کے طور پر تھام لیں اور فروعی مسائل میں کھو کر نہ رہ جائیں۔ انہوں نے ثقافتی عمل کو ایک قسم کا اتحاد قرار دیا اور کہا کہ آپس کے فاصلوں کو کم کرنے کے لیے باہمی معاشرت اور آمد و رفت اور مزاج پرسی کو بڑھانا ضروری ہے۔"

حزب جہاد پاکستان کے سربراہ آغا مرتضیٰ پویا نے پیام محمدیؐ کو عالمی پیادم قرار دیا اور کہا کہ بعض لوگ اس پیام کو ضعیف کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کل سیکولر ہمارے دشمن تھے لیکن آج استعماری دشمن بھی مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر قتل و غارت کر رہا ہے۔

نائب سفیر محترم، اسلامی جمہوریہ ایران آقائے کلانتری نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ وحدت فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے، وحدت انبیا اور قرآن کی سفارش ہے جو مسلمانوں کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ امام خمینیؒ نے فرمایا

Marfat.com

دین کی بنیاد وحدت پر ہے اور تفرقہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا وحدت دین اسلام کا ایک محکم اصول ہے۔

وزیر مذہبی امور حکومت پاکستان عبدالمالک کانسی نے تقریب کے مقررین کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کا فرمان ہے کہ خدا اور رسولؐ کی دعوت کی پیروی کریں کیونکہ یہ حقیقی دعوت ہے۔ ہم جتنا بھی توحید اور رسالت کے مفاہیم سے نزدیک ہونگے اتنا ہی امن و سلامتی سے نزدیک ہونگے۔ انہوں نے دین اسلام کو ضابطہ حیات قرار دیتے ہوئے دین کے نام پر دہشت گردی کو اسلام کی مخالفت بتایا۔ انہوں نے ملت اسلامیہ خصوصاً ایران اور پاکستان کے مابین محبت واتحاد کے رشتوں کو مستحکم بنانے پر بھی زور دیا۔

تقاریر کے بعد جناب پیر نقیب الرحمٰن نے مسلمین کی سربلندی واتحاد کے لئے دعا کرائی اس تقریب میں ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی اور پروفیسر مقصود جعفری نے اپنا نعتیہ کلام بھی پیش کیا جسے حاضرین جلسہ کی طرف سے بہت سراہا گیا۔

اوپن یونیورسٹی کے حق میں پشاور ہائی کورٹ کا فیصلہ

ڈویژنل بنچ۔ پشاور ہائی کورٹ نے گزشتہ روز اپنے ایک تاریخی فیصلے میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ڈگریوں، سرٹیفیکیٹس اور ڈپلوموں کو ملک کی تمام یونیورسٹیوں اور بورڈز کی اسناد اور ڈگریوں کے مساوی قرار دیا ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کو ایک عرصے سے یہ شکایت مل رہی تھی کہ صوبہ سرحد کے سرکاری ادارے بطور خاص محکمہ تعلیم، اوپن یونیورسٹی کی ڈگریوں خصوصاً یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ پروگراموں پی ٹی سی، سی ٹی اور بی ایڈ کی اسناد رکھنے والے ملازمت کے متلاشی امیدواروں سے غیر منصفانہ سلوک کر رہے ہیں، اور انہیں ملازمت کے لئے اہل تصور نہیں کرتے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی انتظامیہ نے ایک رٹ پٹیشن کی صورت میں یہ شکایت پشاور ہائی کورٹ میں دائر کی۔ اس مقدمے کا گذشتہ روز عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ایک وفاقی اور قومی یونیورسٹی ہے۔ لہذا اس کی جاری کردہ تمام اسناد ڈگریاں اور ڈپلومے ملک کی کسی بھی بہترین

Marfat.com

یونیورسٹی کے مساوی ہیں۔ اس طرح اب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ڈگریوں کو تسلیم نہ کرنا قانون کی خلاف ورزی اور توہین عدالت کے زمرے میں آئے گا۔ یہاں یہ بات بھی لائق غور ہے کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ہی ملک کا وہ واحد ادارہ ہے جو پرائمری سے اعلیٰ ترین سطح کے تمام تعلیمی اداروں کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرتا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۱۹۷۴ء کے ایک ایکٹ آف پارلیمنٹ کے تحت معرض وجود میں آئی تھی اور اس کے چانسلر خود صدر مملکت محمد رفیق تارڑ ہیں۔ اس یونیورسٹی کا نصاب تعلیم ملک کی تمام یونیورسٹیوں اور بورڈز کے نصاب کے عین مطابق ہے۔ صرف طریقہ تعلیم مختلف ہے یعنی طلبہ کو یہ سہولت حاصل ہے کہ خود پڑھ کر سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس وقت یونیورسٹی میں دس لاکھ افراد زیر تعلیم ہیں اور یہ یونیورسٹی ملک کے طول و عرض میں ایٹمی توانائی کمیشن ایسے اہم ترین اداروں کے تعاون سے سائنس و ٹیکنالوجی / میڈیکل، اور کمپیوٹر کی اعلیٰ تعلیم بھی دے رہی ہے۔

"نمل" کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا

صدر مملکت نے اسلام آباد میں تعلیم اور تحقیق کی مزید سہولیات فراہم کرنے کے لیے انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز کو قومی یونیورسٹی کا درجہ دینے کا آرڈیننس نافذ کر دیا ہے، یونیورسٹی کا مرکز اسلام آباد میں ہوگا اور صدر پاکستان اس کے چانسلر ہونگے۔ یہ یونیورسٹی اپنے بورڈ کے فیصلوں کے مطابق وقتاً فوقتاً پاکستان بھر میں یا بیرون ملک کسی بھی تعداد میں کیمپس، کالج اور انسٹی ٹیوٹ قائم کر سکتی ہے۔

یونیورسٹی ان تمام افراد کو جو کسی بھی دین، نسل، طبقہ، عقیدہ، رنگ یا ڈومسایل سے تعلق رکھتے ہوں اور بورڈ کے طے کردہ معیار اور پالیسی پر پورے اترتے ہوں، اپنے کورسز میں داخلہ دے گی۔ یونیورسٹی مکمل طور پر خود مختار ہوگی اور وہ اپنی تعلیمی اور انتظامی فعالیات کو خود کنٹرول کرے گی۔ (حوالہ روزنامہ نیشن ۳۰ مئی ۲۰۰۰ء)۔

❖❖❖❖

Marfat.com

یادِ اقبال میں سیمینار

رایزنی فرہنگی اسلامی جمہوریہ اسلامی ایران' اسلام آباد ۱۶ نومبر ۲۰۰۰ء مطابق ۲۶ آبان ماہ ۷۹ ۱۳ھ ش کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے تعاون سے "اقبال کے افکار اور اندیشے" کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد کرا رہی ہے۔

اس ایک روزہ سیمینار میں' جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں منعقد ہو گا ایران اور پاکستان سے معروف اقبال شناس شرکت کریں گے اور علامہ اقبال کے افکار اور اندیشوں سے متعلق اپنی تازہ ترین مطالعات اور تحقیقات پیش کریں گے۔ رایزنی فرہنگی کی طرف سے افکار علامہ اقبال کے مشتاق افراد کو اس سیمینار میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

Marfat.com

پروفیسر محمد اسلم خان کی یاد میں

ڈاکٹر رضا مصطفوی

دہلی یونیورسٹی کے استاد زبان فارسی جناب پروفیسر محمد اسلم، جو ادھیڑ عمر میں وفات پا گئے کے یوں دنیائے فانی سے گذر جانے کا سانحہ ان کے دوستوں، شاگردوں اور شناساؤں کے لیے بڑا دردناک ہے۔ ڈاکٹر اسلم خان ۱۹۳۹ء میں دہلی میں متولد ہوئے انہوں نے دہلی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں زبان و ادبیات فارسی میں ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے چار سال کے لیے ایران تشریف لائے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے بعد دہلی یونیورسٹی ہی میں تدریس شروع کر دی۔

ڈاکٹر اسلم خان ایران، سرزمین ایران کی ثقافت، اور زبان و ادب فارسی سے شدید لگاؤ رکھتے تھے۔ میں زبان فارسی کے سلسلے میں منعقدہ سیمیناروں میں شرکت کے لیے جب انڈیا سفر کرتا تو ہمیشہ ان سے ملاقات کے دوران یہ دیکھتا کہ وہ سیمینار کے دوران بڑی رغبت سے شرکت کرتے اور مقالہ پڑھتے تھے۔

۱۳۶۹ھ ق میں جب میں فارسی کی ریفریشر کلاسوں کی تدریس کے لیے دہلی گیا تو میں نے کلچرل قونصلر ایران کو ایک مجلہ کی اشاعت کا منصوبہ دیا تاکہ اس میں برصغیر کے دانشوروں کی تحقیقات اور اساتید محترم کے مقالے چھاپے جائیں اور صاحبان ذوق کے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم ہو سکے۔ اس دور کے کلچرل قونصلر نے اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے اسے عملی جامہ پہنایا۔ میں نے مجلے کا نام "قندپارسی" تجویز کیا چنانچہ اس پر بھی عمل کیا گیا۔ دوسرے فارسی اساتید کی طرح ڈاکٹر اسلم خان بھی اس ثقافتی اقدام سے خوش تھے۔ ایک مرتبہ وہ تہران آئے تو وہ ہمارے گھر تشریف لائے تاکہ مجھے اس تجویز کا نتیجہ دکھا دیں اور اس مجلے کا پہلا شمارہ میرے لیے تحفے کے طور پر اپنے ہمراہ لائے۔

Marfat.com

میں ۷۰-۱۳۷۳ تا ۱۳۷۳ھ ق (تین سال تک) دہلی یونیورسٹی میں مہمان استاد کے طور پر درس دیتا رہا' جبکہ ڈاکٹر اسلم خان گروہ زبان فارسی کے سربراہ تھے۔ ساتھیوں کی خواہش پر ہم نے بدھ کا دن اس چیز کے لیے مخصوص کیا تھا کہ میں یونیورسٹی میں اپنے ساتھیوں کو تحقیق کی روش اور اسلوب کا درس دوں اور انہیں فارسی زبان و ادب سے متعلق آخری تحقیقات کے بارے میں آگاہ کروں۔ وہ سب جو بذات خود اہل مطالعہ اور اہل علم و فضل تھے اس کلاس میں باقاعدگی سے آتے اور ڈاکٹر اسلم خان جو ان سب میں پیش پیش تھے اور گروہ کے سربراہ بھی تھے' سب سے پہلے کلاس میں حاضر ہوتے اور کبھی کبھی نہایت ظریف اور باریک نکتوں سے متعلق سوالات کرتے۔ سالہا سال گذرنے پر بھی جب وہ مجھے خط لکھتے یا ان سے ملاقات ہوتی تو وہ حق شناسی اور مہربانی کے اظہار کے طور پر بدھوار کی کلاسوں کا ذکر خیر کرتے۔ ڈاکر اسلم خان آداب کے بڑے پابند تھے اور زبان فارسی کے سیمیناروں میں ہندوستانیوں کی عام رسم کے مطابق سیمینار کے مہمانوں پر پھول نچھاور کیے جاتے وہ ہمیشہ ان آداب و رسوم میں پیش پیش رہے منسلکہ تصویر انہیں میں سے ایک رسم سے متعلق ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد اسلم خان' جناب ڈاکٹر رضا مصطفوی کا استقبال کرتے ہوئے

Marfat.com

ان کے خصوصی اوصاف میں سے ایک ضرور تمندوں کی دستگیری کرنا تھا انہوں نے کئی بار بعض فارسی زبان کے طالب علموں اور دیگر افراد جن کی حالت مناسب نہ ہوتی کی حمایت کے لیے مجھ سے مدد کے لیے بات کی تھی۔

ڈاکٹر اسلم کی شخصیت ایک خاص نوع کی تواضع و فروتنی تھی وہ بات جو وہ نہ جانتے اس کے پوچھنے میں کبھی دریغ اور تامل نہ کرتے تھے اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ انہوں نے مجھے کوئی مقالہ یا تحریر دی کہ میں اسے پڑھوں اور اصلاح کروں اور میں جو یہ جانتا تھا کہ وہ سیکھنے کی بڑی کوشش کرتے تھے اولین فرصت میں ان کی تحریروں کی اصلاح کر کے انہیں لوٹانے کی کوشش کرتا۔

ہم ان کے سانحہ وفات سے واقع ہونے والے نقصان کے سلسلے میں دہلی یونیورسٹی' ان کے رفقائے کار دوستوں اور محترم خاندان کو تعزیت پیش کرتے ہوئے خداوند متعال سے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ان کے ڈاکٹریٹ کے تھیسس کا' جو استاد ڈاکٹر حسین خطیبی کے زیر نظر مکمل ہوا' موضوع "عہد شاہ جہان میں ظفر خان احسن کا ہندوستان کی سیاست اور فارسی ادبیات میں کردار" تھا۔ ڈاکٹر اسلم خان ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء دہلی یونیورسٹی کے شعبہ زبان و ادبیات فارسی کے سربراہ رہے۔ اسی سال ۱۹۹۳ء میں وہ یونیورسٹی پروفیسر کے مقام تک ترقی کر گئے اور زبان فارسی کی ترقی و پیشرفت اور غیر اردو زبان لوگوں کے اندر فارسی ذوق پیدا کرنے اور خطاطگری سے متعلق قابل قدر خدمات انجام دینے کے سلسلے میں انہوں نے ۹۱-۱۹۹۸ کا بین الاقوامی انعام حاصل کیا۔

ڈاکٹر اسلم خان نے ایران افغانستان اور پاکستان کے سفر کیے۔ آپ دہلی یونیورسٹی میں زبان فارسی سے متعلق کئی اجلاسوں اور سیمیناروں کے بانی ہوئے۔

زبان و ادب فارسی اور ایرانی ثقافت کے بارے میں ان کے تقریباً ۴۹ مقالے ایران' انڈیا اور افغانستان کے مختلف مجلوں میں شائع ہوئے اور آنجہانی نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ترجمہ' تصحیح یا

Marfat.com

تالیف کی ہیں۔ ہم خداوند متعال کی درگاہ میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری

مطبوعہ تالیفات

۱۔ تذکرہ منتخب الاشعار نوشتہ مردان علی خان مبتلا کی ترتیب و تصحیح (۱۹۷۵ء / ۱۳۵۴ھ ق)

۲۔ ظفر خان احسن کے احوال' آثار اور افکار و اشعار' ۱۹۷۶ / ۱۳۵۵ھ ق' دہلی۔

۳۔ ظفر خان احسن کی مثنویاں' ۱۹۷۵ء / ۱۳۶۴ھ ش' دہلی۔

۴۔ طبقات شاہجہانی طبقہ دہم تصنیف محمد صادق ھمدانی کشمیر کی ترتیب و تصحیح' ۱۹۹۰ء / ۱۳۶۹ھ ش۔

۵۔ فارسی معاصر کے نثر کا انتخاب' ۱۹۹۱ء / ۱۳۷۰ھ ش' شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی۔

۶۔ ہندوؤں میں فارسی ادبیات (ترجمہ اردو سے فارسی) نوشتہ ڈاکٹر سید عبداللہ' ۱۳۷۱ھ ش موقوفات افشار' تہران۔

۷۔ طبقات شاہجہان طبقہ نہم تحریر محمد صادق ھمدانی کشمیری کی ترتیب و تصحیح' ۱۹۹۳ء / ۱۳۷۲ھ ش

۸۔ دہلی یونیورسٹی اور زبان ادبیات فارسی کی توسیع میں اس کا حصہ' ۱۹۹۷ء شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی۔

۹۔ تذکرۃ الشعرا تالیف مولانا محمد عبدالغنی' تصحیح و حواشی ہمراہ ضروری اضافے ۱۴۱۹/ ۱۹۹۹ء انتشارات سعود احمد دہلوی' دہلی۔

۱۰۔ مدارس دینی ہند از ڈاکٹر قمر الدین (ترجمہ اردو سے فارسی)' ۱۹۹۹ء مرکز تحقیقات فارسی کلچرل قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران' نئی دہلی۔

❖❖❖

Marfat.com

قارئین کے خطوط

Marfat.com

Marfat.com

پیغام آشنا کے نام

پاکستان بھر سے ہمیں مختلف ادبی اور تحقیقی حلقوں سے لکھاریوں، ادیبوں، دانشوروں، علما اور افاضل نے ایک بار پھر بے شمار خطوط ارسال کیے ہیں جن میں پیغام آشنا کی صوری و معنوی محاسن کی تعریف و ستائش کی گئی ہے۔ ہم نے حوصلہ افزائی کے ان بیانات میں خلوص کے سمندر موجزن دیکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب قارئین محترم کی محبتوں اور تعاون کا ثمر ہے جس کے لیے ہم ان کے تہہ دل سے سپاس گزار ہیں۔ (ادارہ)

پروفیسر ڈاکٹر ریاض الاسلام،

سیکرٹری انسٹیٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز۔ کراچی یونیورسٹی۔

میں شکریہ کے ساتھ پیغام آشنا کی وصولیابی کی اطلاع دیتے ہوئے آپ کو اس رسالے کے اجرا پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ہم نے اسے دانشوروں اور طالب علموں کے استفادے کے لیے انسٹیٹیوٹ کی لائبریری میں رکھ دیا ہے۔

***

افتخار عارف، صدر نشین، اکادمی ادبیات ،اسلام آباد۔

پیغام آشنا شمارہ جون ۲۰۰۰ ملا۔ عنایت کہ آپ یاد رکھتے ہیں۔ کرم گستری کے لیے شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ خود بھی استفادہ کروں گا اور اکادمی ادبیات کے توسط سے حلقے کے دوسرے احباب بھی فیض یاب ہونگے۔ اس تعاون کو جاری رکھیے۔

***

شبنم شکیل، اسلام آباد

پیغام آشنا کے دونوں شمارے دیکھے واقعی اس پرچے کو صوری اور معنوی حوالوں سے خوبصورت بنانے میں بڑی محنت کرنا پڑی ہوگی۔

جہاں تک صورت کا تعلق ہے تو ابھی تک تو ایک روایتی سا جملہ سنا کرتی

Marfat.com

تھی کہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ مگر یہاں یہ اصطلاح صحیح معنوں میں سامنے آئی کہ آراستگی کیا ہوتی ہے۔ یہ شاعری اور نثر کا بہت نفیس گلدستہ ہے۔ مبارک ہو آپ کو اور آپ کے عملے کو!۔

***

پروفیسر مظہر عباس،

شعبہ فارسی، گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج، ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ

پیغام آشنا کا اولین شمارہ ملا۔ انتہائی شکر گزار ہوں۔ حق تو یہ ہے کہ یہ ایک عظیم کاوش ہے جو آپ نے ایران اور پاکستان کے مشترکہ تاریخی اور تمدنی رشتوں کی ترقی اور وسعت کے لیے انجام دی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو، چونکہ یہ ان دیرینہ رشتوں اور رابطوں کے حامیوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

***

عارف علی میر ایڈوکیٹ،

بانی و مدیر المیر ٹرسٹ لائبریری، مرکز مطبوعات و تحقیقات۔ گجرات

پیغام آشنا کے پہلے شمارے کے مطالعہ کا موقع ملا، یہ ہر لحاظ سے ایک معیاری مجلہ ہے۔ اس سے بہت سے علم کے متلاشی حضرات کے ذوق کی تسکین ہو گی۔ آپ کی طرف سے اس کا اجراء پاکستان میں تاریخ و ادب کے طالب علموں پر بھی ایک احسان ہے۔

***

سید شہزاد نقوی، لالیان، تحصیل چینیوٹ

پیغام آشنا کا پہلا شمارہ ملا۔ اتنا خوبصورت اور معلومات افزا مجلہ پہلے اردو زبان میں نہ تھا۔ مقالات میں سے علامہ اقبالؒ کے کلام پر مقالہ بہت شاندار اور معلوماتی تھا۔ اسی طرح ایرانی شاعر عارف قزوینی کے بارے میں مضمون بھی خوبصورت تھا۔

***

سید بشیر حسین بخاری، صدر مرکز تحقیقات اسلامی، سرگودھا۔

اس نئے مجلّے کو ایران اور پاکستان کے مابین ہر جہت سے دوستی کا عظیم سنگم کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ایران کے بیشتر رسائل و

Marfat.com

جرائد اس مقصد وحید کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ پیغام آشنا نے جو راہ اپنائی ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔

***

پروفیسر محمد اقبال خان جسکانی، راجن پور

پیغام آشنا کا شمارہ ہمدست ہوا۔ ماشاء اللہ ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ لگتا ہے آپ نے اس کی نوک پلک سنوارنے میں پوری توجہ اور ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ یہ ایرانی ثقافتی مراکز سے جاری ہونے والے تمام مجلات میں زیادہ خوبصورت اور مواد کے لحاظ سے برصغیر کے مجلات میں ایک انتخاب ہے۔ تمام مضامین کا انتخاب اور تحقیق لاجواب ہے۔ ادارے کے تمام اراکین کو مبارک باد عرض ہے۔

***

ظہیر زیدی، سرپرست بزم جام ادب، اسلام آباد۔

پیغام آشنا صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے جمیل و خوب و زیبا ہے۔ آپ بجا طور پر اس کی اشاعت پر مبارک کے مستحق ہیں۔

***

عظیم الوقار فرحان، سیکرٹری رائٹرز کلب، راولپنڈی۔

پیغام آشنا کا دوسرا شمارہ ملا۔ خوبصورت، دیدہ زیب، عمیق تحقیقی و تخلیقی، مواد کا حامل، نیز کتابی شکل کے باعث کتب خانے میں رکھنا آسان اور سب سے بڑھ کر ایران اور پاکستان کی مشترکہ اقدار کا ترجمان۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو بظاہر یکجا ہونا مشکل نظر آتی تھیں۔ مگر اب یہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ کلب کے تمام ممبران کی طرف سے مبارکباد قبول کیجیے۔

***

سید امام المتقین اشدی، نوڈیرو، لاڑکانہ، سندھ

پیغام آشنا کا دوسرا شمارہ مل گیا۔ بہت بہت شکریہ۔ میری طرف سے تمام اراکین کو مبارک باد قبول ہو۔ اس مجلے میں علمی، ادبی اور تحقیقی نوعیت کا ایک بڑا خزانہ جمع ہے۔

***

Marfat.com

اے پیر حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا

Marfat.com

چکیده مطالب مقالات

چکیده مقالاتی که در این بخش ملاحظه می فرمائید با هدف اطلاع رسانی به پژوهشگران و محققان فارسی زبان براساس خلاصه ترجمه آقای جاوید اقبال قزلباش توسط آقای عبدالرحیم حسن نژاد کارشناس فرهنگی رایزنی فرهنگی ج.ا.ا. در اسلام آباد ویراستاری و تهیه شده است.

Marfat.com

Marfat.com

سخن سردبیر

به نام آنکه هستی نام ازاو یافت

میراث مشترک ایران و پاکستان چندان جنبه های گسترده ای دارد که بررسی ابعاد زوایای آن سالها زمان می‌خواهد. فصلنامهٔ پیغام آشنا شادمان است که با انتشار سومین شمارهٔ خود قدمهای استواری در راه کشف بعضی از این زوایای نهفته بر می‌دارد. همین تنوّع مضامین و گونه گونی موضوعات مشترک ایران و پاکستان سبب می‌گردد تا از پژوهشگران و دانشمندان گرامی هر دو کشور بخواهیم گوشه هایی از این مشترکات را بکاوند و پژوهشنامه هایشان را برای درج در این مجله ارسال فرمایند، باشد که مقالات چاپ شدهٔ آنان در زمینه های فرهنگ و ادب و تاریخ و زبان دوکشور بتواند مجموعهٔ ارزشمندی را فراهم آورد که به پیوندهای مشترکمان تحکیم و استواری بیشتری بخشد.

مجلهٔ پیغام آشنا وظیفهٔ خود می‌داند از آنهمه مهرورزی خوانندگان گرامی خود که با نامه های محبت آمیزشان و ارسال مقاله های خود به ما نیرو و توان کار بخشیده‌اند سپاسگزاری کند و امیدوار است با همت والای آنان و پیوستگیهای این همکاریها بتواند گامهای مؤثری در زمینهٔ نمایاندن مشترکات فرهنگی میان دو کشور ایران و پاکستان بردارد و بدین گونه بر تحکیم دوستی میان آنها بیفزاید و چنین باد.

دکتر رضا مصطفوی
شهریور ماه ۷۹

Marfat.com

پژوهشی در لغت نویسی فارسی در شبه قاره پاک و هند
(در قرن هفتم هـ. ق)

دکتر رضا مصطفوی سبزواری

قرن هفتم آغاز پایه‌گذاری فرهنگ نویسی فارسی در شبه قاره است. پیشاپیش به عنوان سابقه کار لغت نویسی فارسی باید بگوییم نخستین لغتنامه موجود زبان فارسی لغتِ فُرس حکیم ابو نصر علی بن احمد اسدی طوسی شاعر و سراینده گرشاسبنامه است که در میانه سالهای ۴۵۸ یعنی سال پایانی سرودن آن منظومه و سال ۴۶۵ یعنی زمان مرگ اسدی تألیف یافته است و در خور توجه اینکه ترکیب "لغتنامه". تا آنجاکه نگارنده به خاطر دارد نخستین بار در همین کتاب و برای این فرهنگ بکار گرفته شده است، آنجاکه اسدی در مقدمه می نویسد : فرزندم حکیم جلیل اوحد اردشیر از من که ابو منصور علی بن اسدی طوسی هستم لغتنامه‌ای خواست. لغتنامه اسدی مستند است و بیشترین ارزش آن همین اشتمال آن بر شواهد شعری است، به ویژه اینکه گاه اشعاری در آن نقل گردیده که اگر نمی‌گردید، امروز هیچ نام و نشانی از شاعران آن اشعار و گاه خود آن اشعار به دست نداشتیم، براساس یکی از چاپهای لغتنامه اسدی مدخلهای لغوی آن حدود دو هزار و چهارصد و براساس چاپ دیگر حدود هزار و صد نود و شش مدخل است. برای این مدخلها در چاپ نخستین یاد شده از حدود صد شاعر و در چاپ دوم یاد شده از حدود هفتاد و پنج شاعر و جمعاً حدود ۱۳۳۵ بیت شاهد نقل گردیده است. شواهد شعری منقول بسیار روشن است و با معنای مذکور در جلو هر مدخل لغوی تناسب دارد

فرهنگ قواس نخستین فرهنگ هندی، در لسان‌الشعرا نیز نقش بنیادی داشته و مؤلف لسان‌الشعرا در مقدمه این فرهنگ، از آن به نیکی یاد می‌کند که : "خوب طبعان سخنور و نکته سرایان پرهنر امیر اسدی طوسی و مولانا فخر کمانگر رحمة‌الله علیه از آن الفاظ، مجموعه ها ساختند و فرهنگنامه ها پرداختند و لیکن مبوّب و مفصل نکردند و چنان نیاوردند که غرض بر فور حاصل گردد و جوینده به مقصود واصل شود.

فرهنگ جهانگیری اگرچه مانند هر فرهنگ دیگری کاستی هایی هم دارد،

Marfat.com

اما در میان فرهنگهای تألیف یافته در هند باید آن را نقطهٔ اوج فرهنگ نویسی دانست. این فرهنگ مورد تأیید فرهنگهای بعد از خود نیز قرارگرفت تا آنجا که سروری صاحب مجمع الفرس یا فرهنگ سروری وقتی در سال ۱۰۲۸ نسخه‌ای از فرهنگ جهانگیری را از هند برایش می‌آورند به تکمیل فرهنگ خود می‌پردازد و تحریر کامل‌تری از آن تهیه می‌کند.

سروری علاوه بر شانزده مأخذی که در تحریر نخست فرهنگ خود از آن‌ها استفاده کرده، ضمن کتاب نیز از حدود سی و چهار مآخذ دیگر بهره گرفته که اسامی آن ها را در مقدمه فرهنگ خود آورده و از آن میان نیز یکی فرهنگ قواس همان فرهنگ تألیف یافته در قرن هفتم است.

ایده کار در اسلام

نویسنده مقالهٔ پروفسور مقصود جعفری ادیب، شاعر، زباندان، و تحلیل گر مسائل روز دو نظام اقتصادی مارکسیسم و کاپتالیسم را بعنوان نظامهای ناموفق جهان رد کرده است او معتقداست. نظام سرمایه داری با تمام قدرت سرمایه را مورد تاکید و اهمیت قرار می دهد در حالیکه سرمایه بدون زحمات کارگران کارآیی نخواهد داشت این دستهای زحمتکشان است که سرمایه را می‌چرخاند از سوی دیگر نظام مارکسیسم فقط کارگران و زحمتکشان را مورد تاکید و اهمیت قرار داده است درحالی که سرمایه از ملزومات اولیه کار و فعالیت اقتصادی می‌باشد وی می‌گوید نظام اقتصادی اسلام هم برای زحمتکش حق و حقوق قائل است و هم به سرمایه جایگاهی می‌دهد زیرا اجازه میدهد که سرمایه گذاری در جامعهٔ صورت پذیرد ولی حق زحمتکشان را محفوظ میدارد و میگوید قبل از خشک شدن عرق کارگر دستمزد واقعی آن را باید پرداخت کرد ضمن اینکه پس از کسر هزینه های تولید سود فرآورده هم بصورت مساوی فی مابین سرمایه گذار و کارگر تقسیم خواهد شد یعنی سود تنها متعلق به سرمایه گذار نیست بلکه زحمتکش نیز در آن حق دارد نظام اقتصادی اسلام بین سرمایه و زحمت چنین تعادلی ایجاد کرده‌است که اگر رعایت بشود فساد اقتصادی بوجود نمی آید. از سوی دیگر اسلام از سودهای باد آورده جلوگیری کرده است

Marfat.com

اسلام با ربا مبارزه میکند حتی آنرا جنگ علیه خدا و رسول (ص) توصیف می‌کند.

نگاهی به زندگی و افکار سید جمال الدین اسدآبادی

نویسنده مقاله آقای دکتر مهرنور محمد خان رئیس بخش فارسی دانشگاه ملی زبانهای نوین می‌باشد.

ایشان درخصوص زندگی سید جمال اینگونه می‌نویسند.

مورخین ایرانی میگویند سید جمال ایرانی بوده است و در اسدآباد همدان متولد شده است ولی مورخین افغانی و اعراب معتقدند که ایشان افغانی بوده است و سلسله او به سادات افغانی می رسید. وی در ادامه مقاله خود درخصوص رشد فکری و تحصیلی سید جمال می گوید او دروس مقدماتی را نزد پدرش آموخت و همراه پدر به قزوین سفر کرد و از آنجا به عراق برای تحصیل به خدمت شیخ مرتضی انصاری رسید. استعداد سید جمال باعث رشد تحصیلی او و برانگیخته شدن حسادت حسودان به وی شد تا اینکه کمر به قتل وی بستند که شیخ انصاری بناچار او را به هند فرستاد و بعدها از هند به کابل رفت و در دربار امیر دوست محمد خان مقام و موقعیتی یافت نویسنده درخصوص افکار او میگوید وی در جهت تقویت وحدت و اتحاد مسلمین همواره تلاش می کرد و سفرهای متعددی به کشورهای مصر، ترکیه، فرانسه، انگلیس ، و عربستان داشت و در این اواخر نزد سلطان عبدالحمید عثمانی رسید و موفق شد نظر ایشان را برای تقویت ایده های خود جلب کند ولی با سعایت دشمنان نظر سلطان از او برگشت و وی گرفتار و زندانی شد و در همان زندان درگذشت.

خواجه محمد باقی بالله و وحدت الوجود

نویسنده آقای دکتر مسعود علوی می‌باشد

مقاله دربارهٔ شرح احوال و آثار خواجه محمد باقی بالله است که در سال ۹۷۱ هـ درکابل متولد شد. او دروس ابتدائی را نزد پدرش فراگرفت و بعدها در

Marfat.com

محضر درس محمد صادق حلوائی سمرقندی شاگردی نمود و در حین سفرش به ماوراءالنهر در آنجا مدتی اقامت گزید ایشان دارای افکار وحدت وجود بودند. همانطوریکه صوفیّان می‌گویند کمال درگفتن "اناالحق" نیست بلکه از بین بردن انا (من) است. خواجه بر این عقیده بود که باید خودی را از بین برد تا به حقیقت الحقایق رسید.

ایشان عقیده خودش را در بحث حقیقه‌الحقایق توضیح داده و میگوید. وحدت باطن کثرت است و کثرت ظاهر وحدت ولی حقیقت هر دو یکسان است. شریعت یعنی عمل به رساله های عملیه و طریقت یعنی تهذیب اخلاق و از بین بردن خصایل رذیله ایشان عارف را چنین توصیف می کند عارف یعنی بدون هیچ چشم داشتی کارهای خوب را انجام میدهد و از فعالیت های بد پرهیز می‌کند و با مردم مراودت دارد در جمع آنهاست بدون اینکه تنفّری به کسی داشته باشد. او برای ابلاغ افکارش میگوید اگر می خواهی علوم و معارف برتر را کشف کنی فکر دویی را از اندیشه خود دور کن تفرقه و جدائی تا موقعی است که همه را یکی نپنداری هرگاه همه را بصورت یکی دیدی از تفرقه‌ها خلاصی خواهی یافت زمانی که به مقامی رسیدی اگر خودت را ندیده باشی بلکه خدا را ببینی در دنیا و آخرت آسوده خواهی بود فنا وبقا، کفر و اسلام، مرگ و زندگی، طاعت و عصیان همه در پشت آن قرار خواهد گرفت چراکه خودت را ندیدی. او به مریدان می‌گوید محبت دنیا در حال سیرو سلوک شایسته نیست، در پوشیدن لباس خودت را بزحمت نیندازید، فکر گذشته و آینده را از ذهن بیرون کن، بدان که هیچ مرگی بدتر از مرگ غفلت نیست و عذابی سخت تر از عذاب دویی نباشد هدف تو خاتمه دوئی باید باشد.

حکیم سنائی غزنوی پایه گذار نعت گویی در شعر فارسی

نویسنده آقای دکتر آغا یمین می‌گوید حکیم سنایی غزنوی از شعرای نعت گوی قرن ششم هجری بوده‌است که در قصیده فارسی نعت گویی را آغازکرده است. در عین حال او از مثنوی سرایان بزرگ عصر سلجوقی بشمار می آید و در قصیده هایش در مدح سلطان سلجوقی اشعاری سروده است او همچنین

Marfat.com

قصایدی را بصورت نعت کامل سروده است که ابیاتش در مدح حضرت رسول (ص) بوده است نویسنده معتقد است که شاعر ضمن مدح رسول خدا (ص) به ترویج تفکر اسلامی هم می پردازد سنایی غزنوی در مثنوی سرایی سبک جدیدی را آغاز کرده بود زیرا داستانهای غیر اسلامی را به تصوف اسلامی تبدیل کرد اشعار سنائی در مدح و ثنای رسول خدا (ص) با استفاده از تشبیهات و استعارات می باشد او این عشق صادقانه را بصورت عشق عرفانی نمود بخشید و از سوره های قرآنی همانند سوره والضحی بصورت تضمین شعری استفاده کرده است یعنی هم تفسیر سوره مذکور و هم نعت رسول خدا(ص) را بیان کرده او نعت خدا را در مدح رسولش بصورت نظم درآورده است.

خدمات جمیل بیگ ختک به زبان فارسی

نویسنده آقای جمیل بیگ ختک را در مقاله خود اینگونه معرفی می کند

جمیل بیگ ختک پسر خوشحال خان ختک امیر و شاعر معروف پشتو زبان بود. مغولها به او لقب بیگ دادند که از آن به بعد جمیل خان به جمیل بیگ ملقب شد ولی او در نوشتار فارسی خود از اسم جمیل خان استفاده می‌کرد نویسنده میگوید او از امارت صرف نظر کرده بدنبال تحصیل رضایت خدا برآمد تا اینکه غوث و قطب شد.

او خلیفه اول شیخ رحمکار شد و سنت های جودو بخشش و فقیر پروری را دوست داشت و همواره امر بالمعروف و نهی عن المنکر میکرد مریدان او به قریه و روستا ها سر می‌زدند مردم را به محبت و یگانگی دعوت میکردند. ایشان شاعر صاحب دیوان بود. که در افغانستان اسم دیوان را صدیق گذاشتند از وی. شش عنوان کتاب به یادگار مانده است که از جمله آن : شمس العارفین، قدوة العارفین، زبده سالکین، سراج العاشقین، خلاصة الطالبین، تحفة المقربین می‌باشد.

او از کتاب تذکره الاولیاء فریدالدین عطار مجموعه‌ای را بصورت خلاصه انتخاب و تدوین نموده‌است. همچنین کتابی بعنوان نور محمدیهٔ (ص) در ۴۵۰ صفحه نوشته‌است، او در این کتاب کیفیت تقوی شریعت تقوی طریقت تقوی

Marfat.com

حقیقت تقوی را توضیح می دهد.
مناقب شیخ رحمکار نیز کتابی است از نامبرده که نسخه خطی آن در آرشیو ملی افغانستان وجود دارد. او در این کتاب مرشدش را بصورت خیلی زیبا معرفی می کند. مزار مرحوم نزدیک ایستگاه راه آهن جهانگیره ایالت سرحد می باشد هر سال در ماه صفر جشنواره بزرگداشت او برگزار میشود.

معرفی بیاض صائب نسخه شبلی

این اثر را آقای دکتر رفیع کاظمی با ذکر مقدمه ای این گونه معرفی می کند.
شاهان صفوی اشعار شاعرانی که در منقبت و ائمه اظهار می سرودند را مورد حمایت قرار داده بودند. ولی اکبرشاه در هندوستان از همه شعراء و ادبا قدردانی می کرد. و این امر باعث روی آوردن شعراء و شخصیتهای ادبی به دربار اکبر شاه شد که در نهایت وی منصب ملک الشعرائی فارسی را در دربار خود رایج نمود که اول بار این لقب به غزالی مشهدی بعدها به فیضی و دیگران داده شد.

نویسنده می گوید باتوجه به مکتوبات موجود میرزا احمد علی صائب در اواخر عهد اکبری وارد هند شد و از حکیم رکنا کاشی و حکیم شفایی هنر نحوه شعر گفتن را آموخت بگفته علامه شبلی شعر کلاسیک ایران از رودکی آغاز شد و با میرزا محمد علی صائب تبریزی پایان پذیرفت.
نویسنده در مقاله اش صائب را این گونه معرفی می کند.
صائب شاعری توانا و سریع السخن بود او سه دیوان تصنیف کرد ولی مهمترین تصنیفش بیاض صائب نام دارد که مجموعه ای از شعر شعرای قدیم است. علامه شبلی سه نسخهٔ آنرا ذکر کرده است، نسخه ای که در حیدرآباد توسط یکی از شاگردانش جمع آوری و چاپ شده است و اینگونه این نسخه را معرفی می کند طول و عرض بیاض ۲۵ × ۱۵ سانیمتر است. صفحات ابتدایی و انتهائی را ندارد. صفحات فرسوده شده است و رنگش تغییر پیدا کرده است سراسر بیاض را موریانه از بین برده است، بیاض با خط نستعلیق شکسته نگاشته شده است، در بخش اسامی نام ۱۴ شاعر می بایست نوشته می شدند ولی به جای اسم

Marfat.com

به علت عدم شناخت دقیق آن شاعر کلمه لاادری نوشته شده است ، اسامی ۲۲ شاعر را موریانه خورده است ، اولین شاعر در بیاض ناصر خسرو و آخرین آنان سعیدای فارقانی است در این کتاب به معرفی ۴۰۰ شاعر پرداخته شده است.

برخی از سخنان درونی انسانها

نویسنده مطلب خانم مسرت لغاری می باشد او در مطالب خود سعی دارد ویژگیهای روحی انسانها را نشان دهد. و..... پس از مقدمه کوتاهی بخاطر برتری انسان از سایر مخلوقات به واسطه سخن و زبان ناطقه به احساست درونی انسانها می پردازد و به مسئله وجدان بعنوان چشم باطن یاد می‌کند. که باعث نگرش خاص اکتشافی انسانی می شود.

ایشان با استفاده از همین وجدان به تعریف واقعی موضوعاتی از قبیل انتخاب دوست ، حقیقت روحانیت، زحمت و کاهلی ارتباطات فی مابین انسانها، صبر، دردهای زندگی و تفهیم آن، دنیا و عقبی، تکبر و خودبینی، معاملات انسانی، نیکوکاری و پاداشها و نجات مردم از استثمار همدیگر می‌پردازد نویسنده همه مطالب یاد شده را درکتابی به عنوان "سومین چشم" چاپ نموده است.

خدمت علمای کوتلی به زبان و ادبیات فارسی

نویسنده مقاله آقای مجیب احمد می باشد که به معرفی خادمین زبان و ادبیات فارسی در شهر کوتلی می پردازد وی می گوید که کوتلی از شهرهای صنعتی بوده و تعدادی از بزرگان شریعت و طریقت در آن می زیسته اند از بین علما و شخصیتهای دینی خانواده مولانا حافظ عبدالرحمن نقشبندی به سبب علم و آگاهی و پرهیزگاری موقعیت خاصی دارند که نه فقط در مسائل شرعی بلکه در مسائل ادبیات اعم از زبان اردو، پنجابی، عربی، فارسی نیز خدمات شایانی را انجام دادند.

مولانا حافظ عبدالرحمن نقشبندی در سال ۱۸۶۵ م با استفاده از جوامع الحکایات، سیرة النبی، شجرة‌العالم، طبقات ناصری، کتابی، بعنوان

Marfat.com

"شجرةالنبی" را تالیف کرده او همچنین فتوای ۱۱برگه‌ای درباره نماز احتیاط الظهر بعد از نماز جمعه نوشت.

مولانا ابوعبدالقادر محمد عبدا... پسر بزرگ عبدالرحمن در سال ۱۸۸۲ م کتاب مصابیح‌الایمان را تحریر کرد. که این شامل موضوعات توحید، رسالت رسول‌ا..(ص) و فضیلت قرآن می باشند.

مولانا عبدالله قادری تاریخ وفات پدرش را بصورت شعری ذکر کرد. اگرچه مولانا عبدا... اثر مستقلی ندارد ولی برخی از فتاوی را به زبان فارسی تهیه کرده‌است همچنین مولانا محمد شریف قادری یکی دیگر از خادمین زبان فارسی است که غیر از اشعار فارسی تعدادی مکتوبات و نامه ها را به فارسی نوشته است او در این نامه های فارسی مرشدش را دربارهٔ حالات قلبی و معنوی خویش آگاه کرده‌است اضافه بر این ماده تاریخ وفات عده ای از علما و اکابر را نیز سروده است.

سید علی محمد شاد عظیم‌آبادی

نویسنده مقاله دکتر محمودالرحمن است وی در این مقاله به ذکر سید علی محمود شاد عظیم‌آبادی می‌پردازد و این چنین سخن سرائی می کند که او در شعر غزل میر زمان خود بود. ولی اشعار رثائی هم می‌سرود او در شعر و شاعری از میر تقی میر پیروی می‌کرد خانواده‌اش اهل علم و ادب بودند و بخاطر همین مسئله صرف و نحو عربی و اشعار شعراء را زود یاد گرفت و به فراگیری زبان فارسی در همان زمان کودکی خدمت یکی از آشنایان خانواده خود حاج محمد رضا شیرازی که تاجر ایرانی بود همت گماشت بطوریکه در هفت سالگی صلاحیت ترجمه روان متون فارسی به اردو و بالعکس را پیدا کرد. نویسنده دوران بلوغ فکری و اجتماعی سید علی را اینگونه یادآور می‌شود.

مرحوم سید علی محمد شاد درد خاصی درباره ملت داشت و خواستار از بین بردن رسوم کهن و قدیمی بود و در همین راستا کمیته‌ای تأسیس کرد و معتقد بود که اصلاح زنان سبب اصلاح جامعه می‌شود. کتابی هم بعنوان "صورت حال" نوشت و آنرا پس از چاپ بطور مجانی بین زنان توزیع نمود.

Marfat.com

او در سال ۱۸۸۹ م به سمت دادرس منصوب شد برای دادرسی از زبان اردو علی رغم رایج بودن زبان هندی استفاده می‌کرد.

نویسنده مقاله در ادامه سخن خویش پس از بیان شرح اقدامات و افکار وی به جنبه ادبی باز می‌گردد و می‌گوید.

کلام و سخن شاعر سلیس و روان و ساده و فصیح بود ۵۰ اثر از شاعر باقی مانده است دیوانش بعنوان "کلام شاد" چاپ شده است. غیر از دیوان اشعار مجموعه های دیگری در زمینه مرثیه ها، رباعیات همراه با ترجمه انگلیسی و مجموعه قطعات در سال ۱۹۶۰ به چاپ رسیده است.

تعداد کتابهای نثر وی شامل تاریخ، صوبه بهار، نوای وطن، نصایح‌العبیان، نقش پایدار صورة الخیال نیز به چاپ رسیده‌است وی پس از ۸۱ سال عمر در سال ۱۹۲۷ م درگذشت.

جوش ملیح‌آبادی

آقای عباس کاظمی نویسندهٔ مقاله به معرفی شاعر بزرگ و عالی مقدار جوش ملیح‌آبادی در صحنه ادب و فرهنگ می پردازد. او معتقد است که فکر بلند و راست گفتاری آن شاعر و همچنین رمان نویسی و انقلاب آفرینی های او دریای شعر و سخن را تلاطم دیگری بخشید و آثار زیادی را برای دوستداران زبان و ادب به میراث گذاشت.

منظومات شاعر دعوت به تفکر و دقت در رموز اسرار کیهانی دارد.

نویسنده با اشاره به ارزش و احترامی که هندیها به این شاعر می گذارند حتی برای شناخت بیشتر دانشجویان با این شاعر دوره دکتری را تأسیس کردند می گوید که شایسته است دولت مردان پاکستان توجه بیشتری به این شاعر بزرگ داشته باشند.

آقای کاظمی کارهای این شاعر عالیمقدار را به سه بخش تقسیم می نماید. بخش اول غزلیات بخش دوم منظومات حماس و انقلابی و بخش سوم رباعی، و مراثی. نویسنده معتقد است که غزلهای زیبا و کلاسیک این شاعر دارای ویژگیهای خاصی می باشد او با استناد به اشعار این ابر مرد اقلیم سخن به طبع و

Marfat.com

ذوق قریحه عالی و اندیشه‌های ظریفش اشاره دارد.
اشعار او مورد استفاده دولتمداران، سیاستمداران، معلمان ، علماء و رندان و عشاق و نهایتاً کلیه اقشار مختلف مردم قرار می‌گیرد. زیرا حرف او را حرف دل خویش می پندارند، او مشعل علم را بر افروخته و از جهالت بیزاری می جست اشعارش استعمار شکن بود و ابر قدرت انگلیس را بلرزه درآورد او مبلغ و مروج ارزشهای انسانی بود و به همین دلیل شعری در رثا امام حسین (ع) سرود و آن را به تمام انقلابیون و مبارزین عدالت خواه تقدیم نمود.

در دشت کویر زندگی همسفری ندارم

نویسنده آقای جاوید قزلباش در این مقاله همراه با اشعاری سعی می کند زندگی عصر حاضر بشریت را به تصویر بکشد.
او از اینکه بشریت در عصر تکنولوژی به پیشرفتهای عظیم مادی رسیده است ولی از معنویت دور شده است و فقط به مظاهرمادی و زرق و برق دنیا توجه دارد ابراز نگرانی می‌کند. او عدم توجه بشریت به معنویت را ضربه ای جبران ناپذیر می داند زیرا معتقد است به هدف واقعی نمی رسند.
او وضعیت بشریت را به کشتی تشبیه کرده است که هر لحظه بار گناه او سنگین تر می شود و شکستگی غیر قابل تعمیری هم دارد و آب از اطراف واکناف کشتی جاری شده است و در حال غرق شدن می‌باشد. ناخدا به مسافرین هشدار می‌دهد ولی آنان توجهی به هشدارهای او ندارند.
در پایان شاعر با سرودن اشعاری از روزگار به معنویت بشر اشاره دارد و اندوه و غم ملوان را بیان می‌کند.

مشکلات و موانع در مسیر اجرای افکار علامه اقبال

این مقاله را آقای سید سکندر عباس نوشته است نویسنده با معرفی ابعاد شخصیت علامه بعنوان مفسر و ترجمان‌القرآن که نشان از تدبر و تفکر عمیق او درکتاب خدا می‌باشد می پردازد بعد از ذکر افکار قرآنی اقبال از جمله حکیم و متفکر بودنش او را پایه گذار کشور پاکستان توصیف می کند و به ذکر موانع

Marfat.com

اجرای فکر و اندیشه‌هایش می پردازد او مانع اول را اثرات منفی تمدن غرب می داند که بقول اقبال موجب فساد قلب و نگاه گردیده است. زیرا تهاجم فرهنگی اثرات سیاسی، اجتماعی و ایدئولوژی دارد.

مانع دوم نظام و سیستم سیاسی درکشور است از این که اکثریت فئودالها و سرمایه داران که بعنوان نماینده مجلس ملی انتخاب میشوند خود ضد اقبال هستند زیرا علامه اقبال میخواست نظامی برقرار باشد که بدون پذیرش اثرات مادی و سکولار ملل توسعه یافته حکومت کند. نویسنده ادامه می دهد اقتصاد نیز یکی از عوامل مانع اجرای فکر اقبال می باشد اقتصادی که در کنترل بانک جهانی و صندوق بین‌المللی پول باشد مانع بزرگی است در اجرای افکار اقبال وی همچنین تعلیم و آموزش فعلی را که فقط عقل ظاهری را می پروارند ولی قلب و روح را مورد پرورش قرار نمی‌دهند مانع دیگری در اجرای افکار اقبال می داند و می‌گوید اقبال در راستای احیای تمدن اسلامی خواستار تغییرات اساسی در نظام آموزشی و تعلیمی بوده است نویسنده در نهایت از اساتید و دانشمندان خواسته است در تعلیم و تربیت تجدید نظر کنند و براساس افکار علامه اقبال برنامه ریزی نمایند.

پایه های روابط ایران و پاکستان

آقای دکتر حافظ عبدالغنی شیخ در مقاله خود به محورهای ذیل بعنوان پایه های اساسی روابط دو ملت ایران و پاکستان پرداخته است

۱ - آثار باستانی کشف شده در هر دو کشور تبادلات فرهنگی و اجتماعی دو ملت را نشان دهد.

۲ - دین مبین اسلام و پذیرش آن توسط دو ملت بزرگ ایران و پاکستان و اجرای احکام این دین سعادت بخش و رعایت مسائل شرعیه آن اعم از نماز، روزه، زکات، حج ، بعنوان دومین پایه این روابط می باشد.

۳ - داشتن عقیده مشترک درمسائل علوم اسلامی از جمله علم تفسیر، حدیث، کلام ، فلسفه و همچنین تلاش در جهت احیای مسائل دینی و علوم قرآنی از جمله برگزاری محافل قرآنی و مسابقات بین‌المللی بعنوان سومین پایه این

Marfat.com

روابط ذکر کرده است.

۴ - هنر و آثار خوش نویسی و نقاشی و وجود بناهائی با معماری اسلامی در هر دو کشور را بعنوان عامل چهارمین ذکر می کند.

۵ - شعرای قابل احترام دو ملت از جمله، مولوی، سعدی، حافظ، جامی، اقبال را بعنوان عامل پنجمین این روابط نام می برد.

۶ - وجود آثار مشترک مکتوب با پشتوانه عظیم یکهزار ساله زبان و ادبیات فارسی در منطقه شبه قاره و پاکستان که بخشی از آثار این تاریخ عظیم فرهنگی در کتابخانه داتاگنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان در اسلام‌آباد که به همت دانشمندان ایرانی جمع آوری شده است را بعنوان ششمین عامل پایه روابط دو کشور بر می‌شمارد.

وی در پایان برای تقویت پایه های روابط دو کشور خواستار برگزاری سمینارها، کنفرانس ها، نمایشگاهها و تبادلات فرهنگی در زمینه استادان و دانشجویان شد

میرزا مظهر جان جانان و شعر فارسی آن

در این مقاله خانم دکتر آصفه زمانی به معرفی میرزا مظهر می‌پردازد. او می‌گوید که مظهر در سال ۱۱۱۱ هجری قمری متولد شد و در عصر اورنگ زیب پادشاه مغول می‌زیست در زمانش سرودن شعر زبان فارسی مایه افتخار محسوب می شد. ازکودکی به صوفیه و اهل دل ارادت داشت. از محمد افضل سیالکوتی درس حدیث فرا گرفت و مدتی همنشین مشایخ نقشبندیه بود با توجه به مشرب صوفیانه مریدان زیادی از هندوان و مسلمانان داشت توکل بخدا و بی نیازی از خلق از محاسن اخلاقی او بود.

-از سبک شعرای قدیم پیروی نکرد بلکه به شیوه سلامت و روانی کلام بیشتر توجه داشت و آن را بعنوان سبک خود برگزید.

نویسنده مقاله نقل می کند که بنا به گفته رام بابو سکسینه دیوان فارسی میرزا مظهر مشتمل بر یکهزار شعر می‌باشد غزل عاشقانه جایگاه ویژه‌ای در اشعار او دارد، و وصل از موضوعات اساس شعر عاشقانه وی می باشد. زیرا معتقد

Marfat.com

است تأثیر گذاری هجر دائمی است نویسنده همچنین می گوید میرزا منظره تودیع معشوق را بصورت جانسوز به تصویر کشیده است و همچنین در دو مثنوی اوّل با ۱۰ شعر شامل حمد خدا و نعت رسول گرامی اسلام (ص) و در دومین با ۳۰ شعر به مضامین عاشقانه پرداخته است. وی در پایان مقاله خود از خریطه جواهر بعنوان اثر ماندگار شاعر نام می‌برد. و می گوید که اثر نام برده بخاطر انتخاب اشعار شعرای برجسته واقعاً در خود جواهر را جای داده است.

Marfat.com

Marfat.com

PAYGHAM-E-ASHNA

Quarterly Journal

of the

Cultural Consulate of the

Islamic Republic of Iran

Islamabad

Summer, 1379

(Oct 2000)

A Collection of Research Articles
With Background of
Common Cultural Heritage of
Iran and Indo-Pak Subcontinent

Marfat.com